بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سُوئے حجاز

(سفرنامہ)

حیدر قریشی

ناشر

سرورادبی اکادمی ۔جرمنی

Sarwar Adabi Akademi,Germany

تقسیم کار

میاں محمد بخش پبلشرز محلّہ رحیم آباد۔خانپور۔۶۴۱۰۰ پاکستان

Soo-e-Hejaz (Safar Nama)
By : Haider Qureshi
Rossertstr.6, Okriftel,
65795 Hattersheim,GERMANY.

(اس کتاب کا پہلا ایڈیشن عمرہ کے احوال پر مشتمل تھا۔اس دوسرے ایڈیشن کے آخر میں حج کی رُوداد بھی شامل ہے)

نام کتاب:	سُوئے حجاز (سفرنامہ)
مصنف:	حیدر قریشی
اشاعت اول (دہلی سے):	۲۰۰۰ء
اشاعت دوم:	۲۰۰۴ء
سرورق:	کاشف الہدیٰ (امریکہ)
قیمت:	ایک سو روپے

انٹرنیٹ ایڈیشن

۲۶؍دسمبر۲۰۱۳ء

انتساب

حضرت ابراھیم علیہ السلام

حضرت بی بی ھاجرہ۔۔ اور

حضرت اسماعیل علیہ السلام کے نام!

یوں روشن جان ھوئی

دل میں کھیں جیسے

مغرب کی اذان ھوئی

ترتیب

(اس انٹرنیٹ ایڈیشن میں شامل کیے گئے ہیں)

اکبر حمیدی، افتخار امام صدیقی، ڈاکٹر نذر خلیق،

محمد یونس خان، منزہ یاسمین

یا آنکھوں میں خاک برستی تھی حیدرؔ
یا اب پیہم اشک دعا میں گرتے ہیں

ابتدائیہ

اُردو ادب میں دوطرح کے سفرنامے لکھے جا رہے ہیں۔ بہت اچھے اور بہت بُرے۔سفرنامہ نگاری کے ایسے ماحول میں میرا سفرنامہ لکھنے کا کوئی ارادہ نہیں تھا کیونکہ میں اچھے سفرناموں کو پڑھ کر خود کو بے مایہ محسوس کرتا ہوں اور بُرے سفرنامے پڑھ کر عبرت پکڑتا ہوں۔ بُرے، بھلے کی تمیز کئے بغیر لکھنا چاہتا تو دہلی کا سفرنامہ اور جرمنی کا سفرنامہ دو کتابیں تو آسانی سے تیار ہو سکتی تھیں۔ پھر انگلینڈ، فرانس، ہالینڈ، سوئٹزر لینڈ جیسے ممالک یہاں سے کون سے دور ہیں۔ جب جی چاہے ان ممالک میں ایک دو ہفتے گذار آئیے اور سفرنامہ لکھ لیجئے۔ ۔سو یکم دسمبر ۹۶ء تک جب مجھے عمرہ کی سعادت حاصل کرنے کے لئے روانہ ہونا تھا، میرا قطعاً کوئی ارادہ نہ تھا کہ میں کوئی سفرنامہ لکھوں گا۔ میں اس سفر کو اپنی ذات اور اپنے احباب تک ہی محدود رکھنا چاہتا تھا۔لیکن یہ سفر میرے لئے صرف ایک سفر اور مذہبی فریضے کی ادائیگی نہ رہا۔ میں نے اپنے جسم کے ساتھ اپنے دل، اپنے ذہن اور اپنی روح کو پے در پے انوکھے تجربوں سے گذرتے دیکھا۔ میں نے جسمانی سطح پر سفر کرنے کے ساتھ فکری اور روحانی طور پر بھی سفر کیا....پھر اس مختلف الجہات سفر کو کسی ایک نقطے پر یکجا ہوتے بھی محسوس کیا۔سو یہ اسی روحانی تجربے کی شدت تھی جس نے مجھے یہ سفرنامہ لکھنے پر مجبور کر دیا۔

مذہبی عقائد کے سلسلے میں اصولاً میں اعتدال پسندی کو بہتر سمجھتا ہوں۔ انتہا پسند مذہبی رویّہ کوئی بھی اختیار کرے، اپنے مخالفوں کو دکھ پہنچانے کے باوجود یہ رویّہ بالآخر

اپنے ہی مسلک کو نقصان پہنچاتا ہے۔مختلف فرقوں کے مختلف نظریات اور تصورات بنیادی طور پر جزوی سچائیاں ہیں، سکّے کا ایک رُخ ہیں اور اُس رُخ کی مناسب ترجمانی ان کے ذریعے ہو جاتی ہے۔لیکن کسی ایک جزوی سچائی کو مکمل سچائی مان کر کسی دوسری جزوی سچائی کو جبراً دبانا مناسب نہیں ہے۔میرے اس سفرنامہ میں مذہب کے تئیں میرے رویوں اور تصورات کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ اس سفر کے دوران کہیں میرے تصورات میں مزید پختگی آئی ہے اور کہیں بہتر تبدیلی آئی ہے۔ تبدیلیاں غور و فکر کے ارتقائی عمل کے باعث آئیں تو وہ ہر سطح پر مفید ثابت ہوتی ہیں۔''سوئے حجاز'' میں میرے نظریات اور تصورات جس انداز میں آئے ہیں ان سے اتفاق کرنا قطعاً ضروری نہیں ہے۔ بلکہ اگر کوئی علمی رنگ میں اور عالمانہ انداز سے میری اصلاح کرنا چاہے یا مجھے سمجھانا چاہے تو میں دیانتداری کے ساتھ مزید سمجھنے کے لئے، مزید غور و فکر کے لئے تیار ہوں۔لیکن اگر کوئی کسی رنگ میں بلیک میل کر کے یا ڈنڈے کے زور سے مجھے اپنی بات منوانا چاہے تو میں ایسے کسی بھی شخص کے فرمودات پر اپنا وقت ضائع نہیں کروں گا۔ابھی تک میں مجموعی طور پر مختلف مذہبی مسالک کے تعلق سے ایک اصولی بات کر رہا تھا۔اب مجھے اُس دانشور طبقے کے حوالے سے بھی کچھ عرض کرنا ہے جو مذہب بیزار ہے۔

جو لوگ فیشن کے طور پر خود کو ملحد یا دہریہ کہلوا کر خوش ہوتے ہیں اور اسی الحاد کو اپنی دانشوری سمجھتے ہیں جبکہ یہ سب کچھ بے حد مصنوعی ہوتا ہے مجھے ایسے دانشوروں کے بارے میں تو کچھ نہیں کہنا لیکن وہ لوگ جو کسی فیشن کے طور پر نہیں بلکہ فکری اعتبار سے اس سطح پر ہیں کہ مذہب سے بیزاری محسوس کرتے ہیں ان کے حوالے سے مجھے چند باتیں ضرور کرنی ہیں۔ایسے دانشوروں کا خیال ہے کہ مقاماتِ مقدسہ پر جا کر ہمیں اپنے اندر جو تبدیلیاں محسوس ہوتی ہیں وہ ان مقامات سے وابستہ ہماری گہری عقیدت کا نفسیاتی اثر ہوتا ہے۔بجا ارشاد.....اگر ایسے مقامات پر جا کر کسی کو ذہنی، قلبی اور روحانی بالیدگی نصیب ہوتی ہے، اس کی حالت میں بہتر تبدیلی آتی ہے تو خود جدید نفسیاتی علم کی رو سے بھی یہ ایک بہترین علاج ہے۔بعض نفسیاتی امراض کا اگر اس طریقے سے علاج ہو جاتا ہے تو اس سے مذہب سے لاتعلق، جدید علوم سے بہرہ ور ہمارے دانشوروں کو خوشی

ہونی چاہیے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لئے امّتِ کلیم، امّتِ مسیح اور امّتِ محمدؐیہ.....تینوں مذاہب میں گہری محبت اور عقیدت پائی جاتی ہے۔ مذہب سے متنفر دانشوروں کے لئے بھی حضرت ابراہیم علیہ السلام کی شخصیت میں عظیم انقلابی کردار موجود ہے۔ حضرت ابراہیم کے دور میں دو قبیح رسمیں معاشرتی سطح پر فروغ پانے لگی تھیں۔ بہت سے لوگ رہبانیت کے زیرِ اثر تجرد پسندی کی طرف مائل ہونے لگے تھے، بعض انتہا پسند اپنی مجردانہ زندگی کو ہر شبہ سے بالا رکھنے کے لئے عضوِ مخصوصہ کو ہی کٹوانے لگے تھے۔ نہ رہے گا بانس نہ بجے گی بانسری.....ایسے ماحول میں حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس راہبانہ رسم کا خاتمہ کرنے کے لئے اس کی تہذیبی و ثقافتی علامت کے طور پر رسم ختنہ شروع کرادی۔

اُسی دور میں ایک اور بے رحمانہ رسم یہ تھی کہ کسی قربانی کے حوالے سے بڑے بیٹے کو ذبح کر دیا جاتا تھا۔ سو میرے دانشور دوست اگر اس تناظر میں ہی غور کریں تو حضرت ابراہیم کے ذریعے حضرت اسماعیل کا قربان ہو جانے کے لئے راضی ہونا اور پھر آخری مرحلہ میں بیٹے کو ذبح ہونے سے بچانے کے لئے خدا کی طرف سے دنبہ آجانا اور پھر انسانی قربانی کی جگہ جانوروں کی قربانی کا رائج ہو جانا یہ بھی انسانی قربانی کے خلاف ایک انقلابی قدم بنتا ہے......سو ہمارے دانشور احباب اگر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے مذکورہ دو اقدامات کو غور سے دیکھیں تو انہیں احساس ہوگا کہ اُس زمانے کی محدود دنیا میں نسلِ انسانی خود ہی اپنے خاتمہ کی طرف جارہی تھی، حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے مذکورہ انقلابی اقدامات سے نسلِ انسانی کے پھلنے پھولنے کے امکانات کو نمایاں کر دیا۔ یہ میں ان دوستوں کے انداز میں بات کر رہا ہوں جو مذہب سے بیزار ہیں۔ انہیں ان کے مخصوص اندازِ نظر کے مطابق حضرت ابراہیم علیہ السلام کی عظمت سے آگاہ کیا ہے۔ ذاتی طور پر میں ختنہ کے حکم، ذبیحہ کے حکم اور پھر بیٹے کی جگہ دنبہ کی قربانی کے حکم کو خدائی احکامات میں شمار کرتا ہوں۔

''سوئے حجاز'' میں کہیں کہیں میرا ردِّعمل شدید بھی ہو گیا ہے۔ حقیقتاً یہ ان متشدد

رویوں کا ردِّعمل ہے جو مجھے اپنی ذاتی زندگی میں یا اس سفر کے دوران پیش آتے رہے ہیں۔ اس کے باوجود اگر کسی کی اس سے دلآزاری ہوتی ہے تو میں پیشگی معذرت کئے لیتا ہوں۔ تاہم میرے ردِّعمل سے میرے فکری رجحانات کو بہتر طور پر سمجھا جا سکتا ہے۔ اپنی ذاتی زندگی میں کبھی کبھار میں مذہبی امور میں کسی حد تک شوخ بھی ہو جاتا ہوں۔ بعض عقلی باتیں دل کو لگتی ہیں لیکن خدا جانے کعبہ شریف کی دیواروں میں کیا بھید تھے کہ کعبہ کا سامنا ہوتے ہی میری ساری شوخیاں اور عقلی باتیں دھری کی دھری رہ گئیں۔ پھر میرے ساتھ وہاں ایسے ایسے اسرار رونما ہوئے اور اتنے انوکھے روحانی تجربے ہوئے کہ انہیں پوری طرح بیان کرنا ممکن ہی نہیں ہے۔

روانگی سے پہلے میرے ذہن میں یہ تاثر تھا کہ مکہ میں جلالی شان کا سامنا ہوگا۔ وہاں شاید میں زیادہ دیر تک ٹک نہیں پاؤں گا اور مدینہ کی جمالی شان میں زیادہ مزہ آئے گا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ مدینہ کی جمالی شان میں بھی بہت مزہ آیا لیکن کعبہ شریف نے تو جیسے مجھے باندھ لیا تھا۔ محبت کی، عقیدت کی عجیب سی ڈور تھی۔ بقول شاعر:

جب بھی دیکھا ہے تجھے عالمِ نو دیکھا ہے

میں نے ''سوئے حجاز'' میں اسی ''عالمِ نو'' کی چند جھلکیاں پیش کرنے کی کوشش کی ہے۔ میرا یہ سفر ویسے تو جسمانی، فکری اور روحانی تینوں سطحوں پر ہوا تھا اور تینوں سطحوں پر اس کے اثرات مجھے آج بھی محسوس ہوتے ہیں لیکن اس سفر کے روحانی اثرات تو جیسے میری روح کی گہرائیوں تک رچے بسے ہوئے ہیں۔

مجھے امید ہے کہ بعض امور میں اختلاف رکھنے کے باوجود میرے قارئین، میرے اس سفر میں اپنی شرکت کو محسوس کریں گے۔

''اے اللہ! میں تجھ سے مانگتا ہوں۔ کامل ایمان اور سچا یقین اور کشادہ رزق اور عاجزی کرنے والا دل، اور تیرا ذکر کرنے والی زبان، اور حلال اور پاک روزی اور سچے دل کی توبہ اور موت سے پہلے کی توبہ اور موت کے وقت کا آرام اور مرنے کے بعد مغفرت اور

رحمت اور حساب کے وقت معافی اور جنت کا حصول اور دوزخ سے نجات.... یہ سب کچھ میں مانگتا ہوں تیری رحمت کے وسیلہ سے، اے بڑی عزت والے، اے بڑی مغفرت والے، اے پروردگار میرے علم میں اضافہ کر اور مجھے نیک لوگوں میں شامل فرما دے" (آمین)

میں طوافِ کعبہ شریف کے ساتویں چکر کی اس مخصوص دعا کے ساتھ اپنے ابتدائیہ کو مکمل کرتا ہوں!

خاکسار

حیدرقریشی

(مقیم جرمنی)

☆☆☆

ارادے سے روانگی تک

۱۹۹۱ء کے وسط میں مبارکہ اور ہمارے تین بچوں رضوانہ، ٹیپو، مانو کا جرمنی پہنچ جانا ہم سب کے لئے بیک وقت خوشی اور پریشانی کا موجب تھا۔خوشی اس لیے کہ یورپ کے دروازے ہمارے خاندان کے لئے کُھل رہے تھے، پریشانی اس لئے کہ میں اور دونوں بڑے بیٹے شعیب اور عثمان، ہم تینوں پاکستان میں تھے۔ظاہری حالات کے لحاظ سے ہمارے جرمنی پہنچنے کا ابھی کوئی امکان دکھائی نہیں دیتا تھا۔یوں گویا ہمارے خاندان کے ٹوٹنے اور بکھرنے کا خطرہ موجود تھا۔لیکن پھر خدا نے کرم کیا۔ایک طوفانی لہر آئی.....ہم تینوں باپ، بیٹے اس طوفانی لہر میں بالکل بے دست و پا تھے۔اور پھر یوں ہوا کہ طوفان کی زد میں آئے ہوئے باپ بیٹوں کا سہارا ان کا خدا بن گیا۔دنیا والوں کے دیکھتے ہی دیکھتے ہم بے آسرا لوگ یونائیٹڈ نیشنز کے ادارہ برائے مہاجرین کے اس شعبہ کے تحت جرمنی پہنچ گئے جو بچھڑے ہوئے خاندانوں کو ملاتا ہے۔جو لوگ تین تین لاکھ روپے ایجنٹوں کو دے کر چوری چھپے جرمنی پہنچے تھے اور یہاں سیٹ ہونے کے لئے ہاتھ پاؤں مار رہے تھے انہوں نے دیکھا کہ یہ تین افراد اس شان سے جرمنی پہنچے ہیں کہ ان کے لئے ٹکٹ UNHCR نے فراہم کیا، ویزہ خود جرمن حکام نے دیا اور فرینکفرٹ ایئرپورٹ پر یونائیٹڈ نیشنز کی ایک نمائندہ نے آکر انہیں ریسیو کیا۔

جو کوں را کھے سائیاں مار سکے نہ کوئی

بعد میں عجیب عجیب الزام تراشیاں کی گئیں۔پہلے ایک خاص مسلک کے حوالے سے

کہا گیا کہ انہیں ''اُن لوگوں'' نے ایسی شان وشوکت سے بھجوایا ہے۔ جب یہ جھوٹ ظاہر ہوگیا تو کسی کو اپنے بہتان پر شرمندہ ہونے کی توفیق نہیں ملی اُلٹا مجھے امریکہ کا ایجنٹ کہا جانے لگا۔ (کاش امریکہ اپنی کوئی چھوٹی موٹی ایجنسی مجھے دے ہی دے۔ موجودہ محنت مزدوری کی مشقت سے تو آرام ملے گا) بہتان طرازی کرنے والوں کو خدا تعالیٰ کا یہ فرمان یاد نہیں آیا کہ **وَتُعِزّ من تشاء وتذلّ من تشاء بیدك الخیر۔ اِنّ الله علیٰ کلّ شی ءٍ قدیر**۔ جرمنی پہنچنے کے بعد نہ صرف مجھے خدا کے فضل وکرم سے قانونی تحفظات مل گئے بلکہ میرے کیس کی بنیاد پر مبارکہ اور بچوں کا کیس بھی منظور کرلیا گیا جو تین برسوں سے لٹکا ہوا تھا۔ ان تحفظات کے علاوہ بھی خدا کے فضل اور احسانات کی ایک پھوار تھی (اور اب بھی ہے) جس نے ہماری زندگی کے صحرا کو سیراب کر دیا تھا۔ ان سارے احسانات کی شکر گزاری کے لئے میرے اور مبارکہ کے درمیان طے ہوا تھا کہ ہم دونوں مکہ شریف اور مدینہ شریف جائیں گے۔ عمرے کی سعادت حاصل کریں گے، مقامات مقدّسہ کی زیارت کریں گے۔ دسمبر ۱۹۹۵ء میں جانے کا ارادہ تھا لیکن اس سے دو ماہ پہلے میرے چھوٹے بھائی اعجاز نے ایک بھاری رقم بطور قرض مانگ لی۔ میں شش وپنج میں تھا، مبارکہ نے کہا ہماری عمرہ کرنے کی نیت پکی تھی۔ خدا نیتوں کا حال جانتا ہے۔ آپ اپنے چھوٹے بھائی کی ضرورت پوری کر دیں۔ خدا کو ہماری نیکی پسند آ گئی تو اس سال نہ ہوسکنے والے عمرہ کو بھی قبول فرمالے گا اور اگلے برس سچ مچ عمرہ کے لئے جانے کے وسائل بھی عطا کر دے گا اور جانے کی توفیق بھی بخش دے گا۔ چنانچہ میں نے مبارکہ کے کہنے پر عمل کیا اور اسکی نیت کے مطابق دسمبر ۱۹۹۶ء میں ہمیں عمرہ پر جانے کی سعادت نصیب ہوگئی۔

پہلے السعودیہ ائرلائن کا ٹکٹ خریدا۔ یکم دسمبر سے ۱۲ دسمبر تک کا عمرہ ٹکٹ تھا۔ ۲۶ر نومبر ۱۹۹۶ء کو ٹکٹ اور پاسپورٹ لے کر سعودی سفارت خانہ سے ویزہ کے حصول کے لئے روانہ ہوئے۔ بون میں سفارت خانوں والی سائڈ پر جانے کے لئے یا تو ایک طویل چکر کاٹ کر پُل پر سے گذرنا ہوتا ہے یا پھر دریا میں موجود فیری (اسٹیمر) پر کار سمیت سوار ہو کر دوسرے کنارے تک جانا ہوتا ہے۔ میرے داماد عزیزم حفیظ کوثر مجھے اور مبارکہ کو سعودی عرب کے سفارت

خانہ تک اپنی کار میں لئے جا رہے تھے۔ دریائے رائن کے کنارے پہنچے تو وہ کار کو سیدھا فیری کے اندر لے گئے۔ وہاں پہلے بھی متعدد کاریں کھڑی تھیں۔ میں اپنی کار کی اگلی سیٹ پر بیٹھا سامنے کا نظارہ کر رہا تھا۔ یکا یک ایک انوکھا منظر میری آنکھوں کے سامنے گھومنے لگا۔ دریا کا دوسرا کنارہ میری نگاہوں کے سامنے تھا۔ وہاں درختوں کا بڑا اور گھنا ذخیرہ تھا۔ پاکستان میں ٹرین کا سفر کرتے ہوئے تو میں نے کئی بار دیکھا کہ درختوں کے جھنڈ ہماری گاڑی کے ساتھ ساتھ نیم دائرہ سا بنائے ہوئے بھاگتے ہیں اور پھر جیسے ہار کر پیچھے رہ جاتے ہیں۔ لیکن یہ نظارہ تو کچھ اور ہی تھا۔ سچ مچ زمین اپنے مدار پر گھومتی نظر آئی۔ درختوں کا جھنڈ ایک مستانہ وقار کے ساتھ جیسے کسی مرکز کا طواف کرنے لگا تھا۔ پہلے تو میں نے سمجھا شاید یہ کوئی کشفی نظارہ ہے لیکن جیسے ہی میں نے اپنے دائیں طرف گردن گھمائی، دریا کا پانی نظر آیا اور ساتھ ہی یہ واضح ہوگیا کہ ہماری فیری حرکت میں آ چکی ہے۔ کار میں بیٹھے ہونے کے باعث نہ تو ہمیں فیری اسٹارٹ ہونے کی آواز سنائی دی تھی اور نہ ہی اس کے حرکت میں آنے کا احساس ہوا تھا۔ کوئی ہلکا سا جھٹکا بھی نہیں لگا تھا۔ حقیقت واضح ہو جانے کے باوجود دوبارہ سامنے دیکھتے ہوئے پھر ایسے ہی لگ رہا تھا کہ زمین کو اس کے اپنے مدار پر گھومتے ہوئے دیکھ رہا ہوں۔ تب مجھے گلیلیو کی یاد آئی۔ گلیلیو نے اس سچائی کا اظہار کیا تھا کہ ہماری زمین مرکزِ کائنات نہیں ہے۔ زمین گول ہے اور اپنے سورج کے گرد گھوم رہی ہے۔ یہ انکشاف کسی مذہبی عقیدے پر براہ راست ضرب نہیں لگا رہا تھا اس کے باوجود گلیلیو کے معاشرے کے مذہبی حلقوں میں قیامت برپا ہوگئی۔ زمین کو مرکزِ کائنات اور خود کو اشرف المخلوقات سمجھنے والوں کو محسوس ہوا کہ زمین کی مرکزیت کی نفی ہوئی تو ان کے اشرف المخلوقات ہونے کی بھی نفی ہو جائے گی۔ سو اپنے انسانی شرف کی حفاظت کے لئے گلیلیو کو مرتد اور واجب القتل قرار دے دیا گیا۔ اُس زمانہ میں زمین پر خدا کی نیابت کے دعویدار نے اس قتل نامہ پر عمل درآمد کا حکم دے کر خود ہی شرف انسانی کی نفی کر دی۔ گلیلیو اپنی سچائی کو جاننے کے باوجود فتویٰ کفر، سماجی دباؤ اور بلیک میلنگ کے سامنے گھبرا گیا۔ اس نے باقاعدہ طور پر معافی مانگی، معافی قبول کرنے کی التجا کی۔ میں گناہ گار ہوں۔ بے شک کفر کا مرتکب ہوا ہوں۔ اپنے سارے گناہوں کی غیر مشروط معافی مانگتا ہوں۔

نہ یہ زمین گول ہے، نہ سورج کے گرد گھومتی ہے بس مجھے معاف کر دیں۔لیکن گلیلیو کے سارے معافی نامے ''خداوند یسوع مسیح'' کے خلیفہ نے بڑی حقارت کے ساتھ مسترد کر دیئے۔اس بد بخت کی معافی کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا، اسے ذلّت کے ساتھ ہلاک کیا جائے اور پھر گلیلیو کو ہلاک کر دیا گیا۔لیکن زمین تو پھر بھی گول ہی رہی اور آج بھی سورج کے گرد گھوم رہی ہے۔اور آج یہ کرۂ ارض تو کیا ہمارا پورا نظامِ شمسی بھی اس عظیم تر کائنات میں ایک حقیر سی شے لگتا ہے۔ویسے گلیلیو کے عہد میں ''خداوند یسوع مسیح'' کے نائب کا ہی قصور نہیں، ہر دور میں مذہبی انتہا پسندی اور دانش کا ٹکراؤ رہا ہے۔وقتی طور پر ہمیشہ دانش ہی کو ذلیل کیا گیا ہے لیکن وقت گذرنے کے ساتھ ہمیشہ دانش کے ساتھ روا رکھی جانے والی ساری ذلّت آخر مذہبی چیرہ دستوں کی ذلّت اور رسوائی بنی ہے....میں گلیلیو کے دور سے اپنے آپ تک پہنچا تو سعودی سفارت خانہ آچکا تھا۔

سفارت خانے میں ویزہ کے حصول کے لئے جب کاغذات جمع کرائے تو ایک دو اَڑ چنیں بیچ میں آگئیں۔جرمنی میں ہر انسان کی نجی زندگی کا احترام کیا جاتا ہے۔پاسپورٹ پر نہ تو کسی کی ولدیت لکھی جاتی ہے اور نہ مذہب کا کوئی خانہ ہوتا ہے۔میاں بیوی کے پاسپورٹوں پر ایک دوسرے کا نام اسی صورت میں لکھا جاتا ہے جب دونوں کے کیس منظور شدہ ہوں۔میرا پاسپورٹ جب بنا تھا تب مبارکہ کا کیس منظور نہیں ہوا تھا اس لئے میرے پاسپورٹ پر اس کا نام درج نہیں ہو سکا۔جب مبارکہ کا کیس منظور ہو گیا تب اس کے پاسپورٹ میں اتفاقاً میرا نام درج ہونے سے رہ گیا۔ہمارے لئے یہ کوئی اہم مسئلہ بھی نہیں تھا....لیکن اب سفارت خانۂ سعودی عرب والوں کا مسئلہ یہ تھا کہ ہم دونوں کو میاں بیوی کیسے مانا جائے۔ہمارا نکاح فارم تو ۱۹۷۳ء میں خانپور میں آنے والے قیامت خیز سیلاب میں بہہ گیا تھا اور نکاح نامہ کا ثبوت تو میں یو۔این۔او والوں کو بھی فراہم نہیں کر سکا تھا۔پاسپورٹ پر بے شک اندراج نہیں تھا لیکن جرمن حکام نے ہمیں میاں بیوی مان لیا تھا۔سعودی سفارت خانہ والوں سے میں نے کہا کہ ہمارے پانچ بچے ہیں اور اب وہی ہمارا نکاح نامہ ہیں۔کہنے لگے چلیں ان بچوں کے کاغذات دکھا دیں۔میں نے کہا اگر مجھے اس الجھن کا علم ہوتا تو پانچوں بچوں سمیت کاغذات لے کر آتا۔میرا خیال ہے میرے لب و لہجے سے انہیں

اندازہ ہو گیا ہوگا کہ ہم میاں بیوی ہیں وگرنہ اتنا بڑا مسئلہ اتنی آسانی سے حل نہ ہوتا۔سفارت خانہ کے متعلقہ افسر نے کہا دوپہر دو بجے کے بعد آ کر ویزہ لے جائیں۔سو ہم اطمینان سے بون شہر میں گھومنے پھرنے کے لئے نکل کھڑے ہوئے۔پہلے رائن دریا کے اِدھر والے کنارے پر گئے۔ وہاں سے حدِ نگاہ تک آنے والے سارے مناظر کو زاویے بدل بدل کر دیکھا، وہیں ''ناشتہ کم لنچ'' کیا۔اس کے بعد مارکیٹوں کے چکر لگانے لگے۔تھوڑی بہت خریداری کر لی۔ڈیڑھ بجے تک ہم لوگ واپس سعودی سفارت خانے پہنچے۔پونے دو بجے متعلقہ آفس سے رجوع کیا۔مقررہ وقت دو بجے سے پہلے ہی ہمیں ویزہ مل گیا۔خدا کا شکر ادا کیا اور خوشی خوشی گھر لوٹ آئے۔

۲۶رنومبر سے ۳۰رنومبر تک ارضِ حجاز جانے کے لئے چھوٹی موٹی تیاری کرتے رہے۔یکم دسمبر کو گیارہ بجے ہم اپنی مقامی ٹرین S1 (ایس۔ون) پر سوار ہو کر اپنے شہر Hattersheim سے فرینکفرٹ آئے۔یہاں سے پھر ایک اور ٹرین S8 (ایس۔ایٹ) لی اور ائیر پورٹ جا پہنچے۔منجھلا بیٹا عثمان ایئر پورٹ تک ہمارے ساتھ آیا تھا جبکہ شعیب اس لئے گھر پر رہا تھا کہ چھوٹے بھائی بہن کا خیال رکھ سکے۔ایک دو دن کے بعد رضوانہ نے فُلڈا سے ہمارے گھر آجانا تھا تاکہ ہماری غیر حاضری میں سارے بہن بھائیوں کی دیکھ بھال کر سکے۔ایئر پورٹ کی ساری کاروائی سے گذرنے کے بعد ہم ڈیڑھ بجے السعودیہ کے جہاز میں سوار ہوئے اور اپنی سیٹیں سنبھال لیں۔

جہاز اُڑنے لگا تو دل کی عجیب سی حالت ہو گئی۔ہوائی سفر کی وجہ سے نہیں بلکہ سفر کے رُخ کی وجہ سے۔پھر جب (غالبًا) پائلٹ نے اُڑان بھرنے کے ساتھ ہی دعاء السفر پڑھنی شروع کی تو اسپیکر سے نشر ہوتی ہوئی اس دعا کے الفاظ نے ایسا اثر کیا کہ مجھے لگا میری روح جسم سے الگ ہو کر مگر میرے ساتھ ساتھ پرواز کر رہی ہے۔مجھ جیسا گناہ گار ربِ کعبہ کے گھر حاضری دینے جا رہا تھا۔کہاں میں کہاں وہ مقام اللہ اللہ! بے اختیار ہونٹوں سے تسبیح و تحمید ہونے لگی...... یہ کیفیت اس وقت ٹوٹی جب مبارکہ نے بتایا کہ اس کی طبیعت خراب ہو رہی ہے۔اصل میں حرمین شریفین جانے کی خوشی میں مبارکہ نے صبح کا ناشتہ نہیں کیا تھا۔ایئر پورٹ تک پہنچنے کے چکر میں

دوپہر کا کھانا بھی رہ گیا تھا اور اب اسے بھوک محسوس ہونے لگی تھی۔ ائیر ہوسٹس کو بلا کر اس صورتحال سے آگاہ کیا۔ اس نے کہا اگر گھبراہٹ زیادہ ہے تو فوری طور پر کوئی جوس لا دیتی ہوں ورنہ آدھے گھنٹہ تک کھانا لے آتی ہوں۔ سو پہلے جوس آ گیا۔ پھر کھانا...اور مبارکہ کی طبیعت بہتر ہونے لگی۔

جرمنی اور سعودی عرب میں وقت کے حساب سے دو گھنٹے کا فرق ہے۔ جب ہم دو بجے دوپہر کو جرمنی سے روانہ ہوئے تب جدہ میں سہ پہر کے چار بجے تھے۔ تقریباً پانچ گھنٹے کا سفر تھا۔ دورانِ سفر اچانک ایک صاحب نے اٹھ کر اذان دینا شروع کر دی تو اندازہ ہوا کہ عصر کی نماز کا وقت ہو گیا ہے۔ اذان کے بعد تین صاحبان نے سیٹوں کا درمیانی راستہ روک کر نماز باجماعت شروع کر دی۔ ایک جماعت ختم ہوئی تو تین افراد کی ایک اور جماعت کھڑی ہو گئی اور اس جماعت کے بعد تین افراد کی ایک اور جماعت....اس دوران باتھ روم کی طرف جانے والے لوگوں کو پریشانی کا سامنا رہا۔ ان پریشان لوگوں میں مسلم بچے، بوڑھے اور عورتیں بھی شامل تھیں غیر مسلموں کی ایک بڑی تعداد بھی شامل تھی اور مسافروں کی خدمت پر مامور جہاز کا عملہ بھی شامل تھا۔ اس عرصہ کے دوران اس لائن میں سب کا راستہ بند رہا۔ باقی سب کو تو خیر تھوڑی بہت پریشانی ہوئی ہوگی، البتہ غیر مسلموں کے سامنے اسلام کی تبلیغ کا ایک خاموش منظر ضرور بن گیا تھا۔ اثر ہوا تھا یا نہیں؟....یہ تو وہی غیر مسلم جانیں لیکن ابلاغ بہر حال ہو گیا تھا۔ مغرب کی نماز کے وقت پھر یہی سین دہرایا گیا۔ میں نے سیٹ پر بیٹھ کر ہی نماز پڑھ لی تھی بلکہ سفر کی رعائت سے فائدہ اٹھا کر جمع بھی کر لی تھی۔ سلام پھیرا تو دیکھا کہ نماز باجماعت والے صاحبان میں سے بعض لوگ مجھے خشمگیں نگاہوں سے دیکھ رہے تھے۔

جدّہ پہنچے تو وہاں رات کے نو بج چکے تھے۔ جرمنی میں تب رات کے سات بجے ہوئے....ائیر پورٹ سے باہر آنے میں تقریباً ایک گھنٹہ لگ گیا۔ باہر ٹیکسی والوں کا ہجوم تھا۔ مکّہ تک جانے کے لئے کوئی ۱۵۰ ریال مانگ رہا تھا، کوئی ۲۰۰ ریال مانگ رہا تھا اور کوئی ۲۵۰ ریال..... ایک ٹیکسی والے سے طے ہوا کہ وہ ایک سواری اور ساتھ بٹھالے اور ہمارا معاملہ ۱۰۰ ریال میں طے ہو گیا۔ یوں ہم نے پہلے مرحلے میں کم از کم ۵۰ ریال کی بچت کر لی۔

رستے میں میقات کے مقام پر رُکنا تھا۔ وہاں سے احرام خریدا۔ عمرہ کے بارے میں معلوماتی اُردو کتابچہ خریدا، غسل کیا، احرام باندھا.....مبارکہ کو صرف غسل کرنا تھا کیونکہ خواتین اپنے عام لباس میں عمرہ کرتی ہیں۔ غسل خانوں سے باہر صفیں بچھی ہوئی تھیں، وہاں دو نفل ادا کئے۔ عمرہ کی نیت کی اور تلبیہ شروع کر دی۔ **لبیک اَللّٰھم لبیک**....

مکہ شریف سے پہلے دو مقامات پر کاغذات کی جانچ پڑتال ہوئی۔ ٹیکسی ڈرائیور نے خود ہی سارے معاملات نمٹائے۔ رات بارہ بجے کے لگ بھگ حرم شریف کے سامنے کی ایک سڑک پر ہم ٹیکسی سے اترے، وہاں سے قریب ایک ہوٹل میں کمرہ کرائے پر لیا۔ یہ صرف رہائش فراہم کرنے والے ہوٹل ہیں۔ کھانا، چائے وغیرہ یہاں نہیں ملتی۔ رہائش کافی آرام دہ ہوتی ہے۔ ہر کمرہ ائیر کنڈیشنر، ریفریجریٹر، گیس سلنڈر، چولہا، اٹیچ باتھ روم کی سہولیات سے آراستہ، اسے آپ جدید طرز کی سرائے بھی کہہ سکتے ہیں۔ ہم نے جو کمرہ پسند کیا اس کا کرایہ قدرے زیادہ تھا لیکن کمرہ کشادہ تھا۔ اگر ہم سارے افراد خانہ ہوتے تو اسی کمرے میں پورے آ جاتے۔ سامان سیٹ کرنے کے بعد میں باہر آیا تو قریب ہی ایک ایسا ہوٹل دیکھا جہاں کھانا تیار ہوتا تھا۔ ہمارے رہائشی ہوٹل کا مالک بنگالی تھا، اردو بول بھی سکتا تھا اور سمجھ بھی لیتا تھا۔ کھانے والے ہوٹل کا مالک سرائیکی نکلا۔ پہلے مرحلے میں ہی اپنے وطن اور اپنے شہر کی خوشبو سی آنے لگی۔ لیکن ارضِ حجاز بھی تو میرا ہی وطن تھا۔ میرے آباواجداد نے تبلیغ اسلام کی نیت سے اس ارضِ مقدس کو خیر باد کہا تھا یا اسلامی لشکر میں شامل ہونے کے باعث انہیں یہ دھرتی چھوڑنا پڑی، اس کے بارے میں تو وہی بہتر جانتے ہوں گے، میں تو اتنا ہی جانتا ہوں کہ آخرکار وہ ہندوستان میں آ بسے تھے اور پھر اس قدیم ہندوستان کی مٹی کے جادو نے انہیں اپنا اسیر کر لیا تھا۔ ہندوستان کے قدیم تاریخی تسلسل میں دیکھیں تو باہر سے آنے والی بڑی اقوام میں آریائی، عرب (اور ان کے لشکروں میں شامل دوسری مسلم اقوام) اور انگریز شامل تھے۔ ان میں سے جو اس دھرتی میں رچ بس گئے وہ اسی کا حصہ ہو گئے۔ جو حصہ نہیں بن سکے انہیں نہ اس دھرتی نے قبول کیا نہ اس کے بیٹوں نے....حصہ نہ بن پانے کی نمایاں مثال انگریز قوم کی ہے اور ان کے لئے برصغیر پاک و ہند کے عوام کا فیصلہ اب تاریخ

کا حصہ بن چکا ہے۔اس دھرتی کا حصہ نہ بن سکنے والوں کو اس دھرتی نے اٹھا کر باہر پھینک دیا۔
بہر حال...سرائیکی ہوٹل کا کھانا عمدہ بھی تھا اور سستا بھی...کھانا کھا کر چائے پی اور پھر ہم **لَبیك اَللّٰھم لَبیك** کہتے ہوئے حرم شریف کی طرف جانے کے لئے نکل پڑے۔ہمیں مسجد الحرام کا جو بڑا گیٹ قریب پڑتا تھا وہ ''باب الملک فہد'' تھا....

☆☆☆

پہلا عمرہ

روایت ہے کہ خانہ کعبہ پر پہلی نظر پڑتے ہی جو دعا مانگی جائے وہ قبول کر لی جاتی ہے۔
اس چھوٹے سے سفر کے دوران مجھے حضرت علیؓ سے لے کر امام ابو حنیفہؒ تک کئی بزرگان امّت کی باتیں یاد آتی رہیں۔کہیں میری رہنمائی کرنے والی اور کہیں دل کی گرہیں کھولنے والی باتیں.....
مبارکہ کو میں نے بتا دیا تھا کہ خانہ کعبہ پر پہلی نظر پڑتے ہی اپنی اہم ترین دلی مراد کے لئے دعا مانگ لینا۔دھڑکتے دلوں کے ساتھ ہم ''باب الملک فہد'' سے گذرنے لگے۔جیسے ہی خانہ کعبہ کی پہلی جھلک دکھائی دی میں نے اپنی دعا مانگ لی۔بعد میں جب میں نے مبارکہ سے پوچھا کہ آپ نے کیا دعا مانگی تھی؟ تو جواب ملا اپنے بچوں کے لئے دعا مانگی تھی۔پھر مبارکہ نے مجھ سے میری دعا کے بارے میں دریافت کیا۔میں نے بتایا کہ میں نے صرف اتنی دعا مانگی ہے ''الٰہی! مجھے مستجاب الدعوات بنا دے'' مبارکہ نے اس کا مطلب پوچھا تو میں نے کہا یوں سمجھ لیں کہ الٰہی میں جب کوئی دعا مانگوں اسے قبول کر لیا کرنا.....مبارکہ ہنس پڑی اور کہنے لگی آپ نے اللہ میاں کے ساتھ چالاکی کر لی ہے....میں نے کہا اگر یہ چالاکی ہے تو امام ابو حنیفہؒ بھی بہت پہلے یہی دعا مانگ چکے ہیں.....اب میں نے بھی یہ دعا مانگ لی ہے تو اس سے کیا فرق پڑتا ہے۔
ہم مطاف تک پہنچے تو خانہ کعبہ کا جاہ و جلال اپنا اثر دکھانے لگا۔سامنے رکن یمانی تھا۔جاتے ہی پہلے اسے بوسہ دیا۔وہاں سے حجرِ اسود کی طرف بڑھے اور مخصوص دعاؤں کے ساتھ وہاں سے طوافِ کعبہ کا آغاز کیا۔پہلے چکر ہی میں نہ صرف میں نے خود حجرِ اسود کو بوسہ دیا بلکہ مبارکہ کو بھی کھینچ

کھانچ کر وہاں تک لایا اور اس نے بھی بوسہ کی سعادت حاصل کر لی۔ اس وقت جب یہ احوال تحریر کر رہا ہوں تو مجھے حضرت عمرؓ کے الفاظ یاد آ رہے ہیں جن کا مفہوم کچھ یوں تھا کہ اے حجرِ اسود! میرے نزدیک تو صرف ایک پتھر ہے لیکن میں تجھے اس لئے بوسہ دے رہا ہوں کہ میرے آقا حضرت محمدؐ نے تجھے بوسہ دیا تھا۔۔۔۔ پر سچی بات ہے اُس وقت مجھے کسی ایسی بات کا ہوش نہ تھا۔ بس گرتے پڑتے، جیسے تیسے منزلِ مقصود تک پہنچنے کی دُھن تھی۔ اس دھن میں مجھ سے تھوڑی سی ''بے مانی'' بھی ہوگئی۔ دو تین لائنیں بنا کر لوگ باری باری بوسہ دے رہے تھے کہ ان لائنوں میں سے ایک دو اور ضمنی لائنیں نکل آئیں۔ یوں افراتفری سی پیدا ہوگئی اور مجھے اس افراتفری سے فائدہ اٹھانے کا موقعہ مل گیا۔ میں اپنے دائیں، بائیں اطراف والوں کو تھوڑا تھوڑا سا دھکیلتا ہوا آگے بڑھا اور حجرِ اسود پر سر اور ہونٹ رکھ دیئے۔ اُس افراتفری کو یاد کرتا ہوں تو اب اندازہ کر سکتا ہوں کہ قیامت کے دن بھی ایسی نفسانفسی ہوگی۔ اگر وہاں بھی میرے جیسے گنہگار اسی طرح منزل مراد پا گئے اور دنیا میں جنت کے ٹھیکیدار اور دعویدار ویسے ہی لائن حاضر رہ گئے تو کیا ہوگا۔

رند بخشے گئے قیامت کو
شیخ کہتا رہا حساب حساب

سات چکر پورے کرنے کے بعد خانہ کعبہ کے دروازہ (ملتزم) کے سامنے دو نفل پڑھے۔ مخصوص دعاؤں کے ساتھ اپنی دلی دعائیں کیں، خدا کے بے پایاں احسانات کا شکر ادا کیا۔ پھر تھوڑا سا پیچھے ہٹ کر مقامِ ابراہیم کے پاس دو نفل ادا کئے۔ وہاں بھی دعاؤں کی توفیق ملی۔ پھر آبِ زم زم پیا۔ حجرِ اسود کے سامنے حاضری دی۔ دور سے بوسہ دیا اور ''الصفا'' گیٹ سے گذر کر کوہ صفا تک پہنچے۔ سعی کی نیت کی، تہلیل و تکبیر پڑھی اور سعی شروع کی۔ مروہ کی طرف جاتے ہوئے مجھے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا حضرت ہاجرہ اور حضرت اسماعیل کو اس وادئ غیر ذی ذرع میں چھوڑ جانا یاد آیا، پھر بھوک، پیاس اور تنہائی کا خوف.... حضرت اسماعیل کا تڑپنا اور حضرت ہاجرہ کی بے تابی.... کبھی صفا کی چوٹی پر جا کر کسی امدادی قافلے کی راہ دیکھنا اور کبھی دوسری سمت دوڑ کر جانا اور مروہ کی چوٹی سے کسی قافلے کی راہ تکنا.... ہزاروں برس پہلے کے اس مکہ کے

ویران بیابان اور حضرت ہاجرہ اور حضرت اسماعیل کو درپیش دردناک اور خوفناک صورتحال کو جیسے لفظوں میں چاہیں بیان کر لیں، اُن دونوں کے دُکھ درد کی کیفیات کی ترجمانی ہو ہی نہیں سکتی۔ بس ان کیفیتوں کو ایک حد تک محسوس کیا جا سکتا ہے۔ سعی کے سات چکروں کے دوران مجھے بار بار بی بی ہاجرہ کی تڑپ اپنے سینے میں محسوس ہوتی رہی اور اسی حالت میں دل سے دعائیں نکلتی رہیں۔ میرے اندر کے صحرا میں میرے آباء واجداد کے آباء واجداد کے جدِّ امجد حضرت اسماعیل علیہ السلام کی برکت سے ایک چشمہ پھوٹ پڑا تھا۔ دل کا اور آنکھوں کا رابطہ ہو گیا تھا۔ میرے اندر کے صحرا کی سلگتی ہوئی ریت سیراب ہونے لگی تھی۔

مروہ کی طرف ساتواں چکر پورا ہوتے ہی ہمارا عمرہ مکمل ہو گیا (الحمد للہ)۔ عمرہ مکمل ہونے پر کسی سائڈ سے تھوڑے سے بال کاٹنے ہوتے ہیں۔ اسے بال ترشوانے کی علامت کہہ سکتے ہیں۔ وہاں بعض خواتین اس کارِ خیر کی تکمیل کے لئے ہاتھ میں قینچیاں لئے کھڑی تھیں۔ ان سے قینچی لے کر میں نے مبارکہ کے تھوڑے سے بال کاٹے اور مبارکہ نے ڈھونڈ ڈھانڈ کر میرے تھوڑے سے بال کاٹے۔ قینچی واپس کرتے وقت اس خاتون کو ایک ریال بطور ہدیہ یا عطیہ نذر کرنا پڑا۔ (اگلے دن پھر ہم نے اپنی قینچی خرید لی)۔

عمرہ مکمل ہونے کے بعد ہم ''زم زم کا کنواں'' دیکھنے کے لئے نیچے کی طرف گئے انڈر گراؤنڈ حصے میں چھوٹی چھوٹی ٹونٹیاں لگی ہوئی تھیں۔ ساتھ ہی زنجیر سے بندھے ہوئے گلاس رکھے تھے۔ یہ 'محبت کی زنجیر' تھی تاکہ 'مشترکہ محبت' کو کوئی ایک عاشق اپنی ذاتی ملکیت نہ بنا سکے۔ ایک کمرہ میں ایسے لگا کہ چشمہ کا منبع وہاں ہوگا۔ وہاں گئے تو بھاری بھرکم پمپ لگے ہوئے دیکھے۔ پہلے تو خیال آیا کہ مشینوں نے دلوں سے بڑھ کر مذہبی شعائر پر بھی قبضہ کرنا شروع کر دیا ہے لیکن پھر سوچا کہ خانہ کعبہ اور مسجد نبوی میں ہمہ وقت آتے چلے جانے والے لاکھوں پروانوں کو پانی کی فوری اور عمدہ فراہمی کے لئے ایسا کرنا بے حد ضروری تھا۔ زم زم کے پمپ کو دیکھ کر باہر نکلا تو میں نے باہر سے چشمہ کی طرف جانے والے رستے کی طرف غور سے دیکھا۔ ہائیں۔ یہ سامنے بورڈ پر کیا لکھا ہے؟ میں نے عینک اتار کر اس کے شیشوں کو صاف کیا۔ آنکھوں کو مل کر دیکھا۔ کہیں مجھے

نشہ تو نہیں ہو گیا۔ وفورِ شوق کا نشہ، جس نے طویل سفر کے بعد آرام کرانے کی بجائے دربارِ کعبہ میں لا کھڑا کیا تھا.... بورڈ پر تین لائنوں میں زم زم کا نام لکھا تھا۔

پہلی لائن: بئر زم زم   دوسری لائن: Zam Zam   تیسری لائن: زم زم کا کنواں

تیسری لائن میں اردو عبارت دیکھ کر خوشی ہوئی لیکن یہ بعد کی بات ہے۔ میں تو بئر زم زم کے الفاظ سے ہی سرور حاصل کرنے لگا تھا۔ ایک دوست یاد آ گئے جو کہا کرتے ہیں کہ بئر شراب نہیں ہوتی۔ غالبؔ یاد آ گئے:

رات پی زم زم پہ مئے اور صبحدم
دھوئے دھبے جامۂ احرام کے

کہیں ایسا نہ ہو کہ جنت میں ملنے والی موعودہ شراباً طہورا بھی بئر زم زم سے ملتی جلتی کوئی چیز ہو.... چلیں خیر ہے۔ مجھے اس سے کیا، یہ تو جنتی لوگوں کا مسئلہ ہے۔ میں ازلی گنہگار.... نہ جنت میرا مسئلہ نہ شراباً طہورا کا لالچ.... چشمۂ زم زم کے خواتین والے حصہ سے مبارکہ باہر آئی تو میں نے اسے "بئر زم زم" کے الفاظ دکھائے۔ اس نے طنزیہ مسکراہٹ کے ساتھ کہا ایسی چیزیں کہیں بھی ہوں لپک لپک کر آپ تک پہنچ جاتی ہیں۔

یہاں سے ہم حطیم کعبہ میں گئے۔ وہاں دو دو نفل ادا کیے۔ من کی مرادیں مانگیں۔ پھر حطیم والی طرف سے "باب الملک فہد" کی طرف جانے والے رستے کی ایک صف میں خانہ کعبہ کی طرف منہ کر کے بیٹھ گئے:

تیرے سامنے بیٹھ کے رونا تے دُکھ تینوں نئیں دَسنا

لگ بھگ دو گھنٹے تک دیدارِ کعبہ سے آنکھیں روشن کرتے رہے۔ اس دوران چند نوافل بھی وقفے وقفے سے پڑھتے رہے۔ میرے سامنے کعبہ شریف کی دو دیواریں تھیں۔ ایک حطیم کے طرف والی۔ یہ آدھی سے زیادہ دکھائی دے رہی تھی، دوسری حطیم کے دائیں طرف والی جو رُکن شامی سے رُکن یمانی تک بالکل سامنے تھی۔ حجر اسود، رُکن عراقی اور ملتزم دوسری طرف تھے۔ حطیم میں میرا اس طرف دھیان نہیں گیا تھا لیکن اب یہاں سے بیٹھے ہوئے پہلی بار خانہ کعبہ کا

سنہری پرنالہ دکھائی دیا۔ حطیم کی طرف خانہ کعبہ کا یہ وہی پرنالہ ہے جس کے نیچے حضرت ہاجرہ اور حضرت اسماعیل علیہ السلام اور ان کی بیٹیوں کی قبریں تھیں۔ یہ روایت پرانی عربی کتابوں سے لے کر اُردو میں اہل سنت والجماعت کے مسلک کی کتابوں تک میں مذکور ہے جبکہ "موحدین" قسم کے فرقے اس روایت کی تردید کرتے ہیں یا سکوت اختیار کرتے ہیں۔ اس جگہ کو میزاب الرحمت کہا جاتا ہے۔ میزاب، پرنالے کو کہتے ہیں۔

تعمیر کعبہ کی مختلف پرانی تاریخیں میں نے ایک زمانے میں پڑھی تھیں۔ عربی سے اردو میں ترجمہ کی ہوئی طاہر الکردی کی کتاب بھی ان میں شامل تھی اور راولپنڈی سے اہل سنت والوں کی جانب سے شائع کردہ ایک کتاب بھی شامل تھی۔ مختلف تواریخ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ جہاں اب خانہ کعبہ ہے یہ دنیا میں خدا کا سب سے پہلا گھر تھا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے زمانے میں اس گمشدہ مقام کی ازسرِ نو دریافت ہوئی اور تعمیر ہوئی۔ ایک بار جب حضرت ابراہیم مکہ تشریف لائے تو بی بی ہاجرہ فوت ہو چکی تھیں۔ تب حضرت ابراہیم نے حضرت اسماعیل کو ساتھ لے کر ان کی قبر کے گرد ایک بڑا سا احاطہ بنا دیا جو صرف پتھروں پر پتھر رکھ بنایا گیا۔ اس میں گارے کا استعمال نہیں ہوا۔ جب حضرت اسماعیل علیہ السلام فوت ہوئے تو انہیں بھی ان کی والدہ ماجدہ کے پہلو میں دفن کیا گیا۔ ان قبروں والی جگہ کو میزاب الرحمت کہا جاتا ہے۔ دراصل اسلام سے پہلے بھی کعبہ شریف کی حدود کو کبھی گھٹانے اور کبھی ابراہیمی بنیادوں پر قائم رکھنے کا سلسلہ چلتا رہا ہے۔ آنحضرت ﷺ کی بعثت سے پہلے، آپؐ کی حیات مبارکہ میں بھی ایک بار تعمیرِ کعبہ ہوئی تھی۔ تب حجرِ اسود کو اصل مقام پر نصب کرنے کا سنگین قبائلی بحران حضور ﷺ نے نہایت عمدگی سے دور کر دیا تھا۔ عام روایت ہے کہ تب تعمیرِ کعبہ کے لئے قبائل کے رزقِ حلال سے جو چندہ جمع ہوا تھا، اس سے کعبہ شریف کی دیوار ابراہیمی بنیادوں تک نہیں لے جائی جا سکتی تھی چنانچہ حطیم کا حصہ چھوڑ دیا گیا۔ تاہم تب بھی اور اب بھی طواف کعبہ کے لئے حطیم شریف کے اوپر سے چکر لگانا ضروری ہے۔ کیونکہ حطیم، کعبہ کا حصہ ہے۔ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ نے خانہ کعبہ کی ازسرِ نو تعمیر کرائی تھی۔ یہ تعمیر ابراہیمی بنیادوں پر کی گئی۔ حطیم بھی کعبہ کے اندر آ گیا لیکن جب حجاج بن یوسف نے حضرت عبداللہ بن

زبیرؓ کو شہید کرادیا تب خانہ کعبہ کی ابراہیمی بنیادوں کو ختم کر کے اس کی تعمیر پھر انہیں بنیادوں پر کرادی جیسی کفّارِ مکّہ نے حضورﷺ کی بعثت سے پہلے کی تھی۔ یوں حطیم اور میزاب الرحمت پھر دیوارِ کعبہ سے باہر ہو گئے۔

خدا کے بارے میں دو بڑے تصوّر مختلف صورتوں میں ہمیشہ سے موجود رہے ہیں۔ ایک تصوّر انوار پرستی کا اور دوسرا ارض پرستی کا۔ ارض پرستی سے زمین کے درختوں، پہاڑوں، دریاؤں، بعض جانوروں اور بتوں کو مقدّس مانا گیا اور انوار پرستی سے سورج، چاند، ستاروں اور آگ کی پرستش کو رواج ملا۔ اصل میں تو یہ سارے تصورات اور عقائد خالقِ کائنات کی جستجو کے سفر ہیں۔ بس ’’سفرِ ہر کس بقدرِ ہمت اوست‘‘۔ اسلام نے اللہ کو آسمانوں اور زمین کا نور کہہ کر اسے روشنی کے عام مظاہر سے ارفع قرار دیا دوسری طرف بت پرستی کو ختم کر کے خانہ کعبہ کو زمینی مرکز بنادیا یوں اسلام نے انوار پرستی اور ارض پرستی کے مروجہ تصورات سے ہٹ کر ایسا معتدل تصور عطا کیا جو خالق کائنات کے بارے میں ہماری بہتر رہنمائی کرتا ہے۔

اسلام سے پہلے مکہ میں حنفا کا ایک فرقہ موجود تھا۔ یہ بت پرستی اور قبر پرستی نہیں کرتا تھا ممکن ہے ابراہیمی حدود کعبہ سے حطیم شریف کو بار بار باہر کرنے میں شعوری یا لاشعوری طور پر یہ سبب بھی رہا ہو کہ مذکورہ قبروں کے تعویذ ختم کر دیئے جانے کے باوجود بعض ’’موحد‘‘ قسم کے قبائل کو قبر پرستی کا احساس ستاتا رہا ہو۔ فکر کی متضاد لہریں بھی تو ساتھ ساتھ چلتی رہتی ہیں اور غیر محسوس طریقے سے ایک ساتھ ارتقائی سفر بھی کرتی چلی جاتی ہیں۔

حطیم کو کعبہ کی دیوار کے اندر رکھا جائے یا باہر..... وہ بہر حال کعبہ شریف کا حصہ ہے۔ اس حصے میں حضرت ہاجرہ اور حضرت اسماعیل کے مدفون ہونے سے کم از کم مجھے تو کوئی الجھن محسوس نہیں ہوتی کیونکہ میں جب کعبہ کی طرف منہ کر کے سجدہ کرتا ہوں تو میرا سجدہ اس عمارت کے لئے نہیں بلکہ خدا کے حکم کی فرمانبرداری کے لئے ہوتا ہے۔ آدم علیہ السلام کو فرشتوں کا سجدہ کرنا بھی درحقیقت آدم علیہ السلام کو سجدہ نہیں تھا بلکہ خدا کے حکم کو سجدہ کرنا تھا۔ اسی طرح کعبہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنا اور سجدہ ریز ہونا، نہ حقیقتاً بی بی ہاجرہ کی قبر کے لئے ہے، نہ حضرت اسماعیل کی قبر کے لئے ہے اور نہ

ہی کسی اور کے لئے.... یہ تو بس خدا کے حکم کو سجدہ ہے اور اس کے حکم کی حکمتوں کو کون جان سکتا ہے۔

دیدارِ کعبہ کے دوران ہی تہجد کی اذان ہوئی۔ ہم نے تہجد کی نماز پڑھی پھر فجر کی اذان ہوئی، نماز باجماعت ادا کی۔ صبح ۷ بجے تک ان عبادات سے فارغ ہو کر اپنے کمرہ میں واپس آ گئے۔ کل دن بھر کے سفر اور رات بھر کی بیداری کے باوجود نیند کا غلبہ نہیں تھا پھر بھی سونے کی کوشش کی۔ سات سے گیارہ بجے تک تھوڑی بہت نیند پوری کی۔ جاگ کر کھانے کا انتظام کیا، کھانا کھایا اور تیار ہو کر ظہر کی نماز کے لئے حرم شریف چلے گئے۔ اس بار میں ’’باب الملک فہد‘‘ کے بالکل سیدھ والے رستے سے گذر کر مطاف سے باہر کی ایک صف پر قبلہ رُو تھا۔ اب صرف خانہ کعبہ کی سامنے والی دیوار روبرو تھی۔ اس کے دائیں جانب رُکن یمانی اور بائیں جانب رُکن شامی اور حطیم تھا۔ حطیم کی جانب والی دیوار یہاں سے دکھائی نہیں دے رہی تھی البتہ پرنالہ بڑی حد تک دکھائی دے رہا تھا۔ دمکتے ہوئے سنہری پرنالے نے میری آنکھوں میں چمک پیدا کر دی تھی۔ ظہر کی نماز کی ادائیگی کے بعد ہم لوگوں نے تھوڑی سی خریداری کی۔ مبارکہ نے جرمنی کے موسم کے مطابق گرم اوورکوٹ پہنا تھا جسے میقات پہنچنے تک اتارنا پڑ گیا۔ میں نے اسے اپنی لمبی جیکٹ دے دی۔ یہ زیادہ گرم نہیں تھی لیکن مکّہ کے موسم کے لحاظ سے یہ بھی خاصی گرم تھی۔ چنانچہ مارکیٹ میں جا کر پہلے تو مبارکہ کے لئے ایک برقعہ خریدا۔ مبارکہ کو برقعہ اتنا اچھا لگا کہ اس نے رضوانہ کے لئے بھی خرید لیا۔ بعض دوسرے عزیزوں کے لئے بھی مختلف تحائف اور تبرکات لئے۔ (آج ۲؍دسمبر ۱۹۹۶ء کو) مکہ میں جرمن مارک کی قیمت ۲.۴۱ ریال تھی۔

☆☆☆

دوسرا عمرہ

یکم اور ۲؍دسمبر کی درمیانی رات دیر گئے ہم نے عمرہ کرلیا تھا۔ارادہ یہ تھا کہ جتنے دن مکہ شریف میں قیام رہے گا، روزانہ عمرہ کی سعادت حاصل کریں گے۔ ہر نئے عمرے کے لئے غسل ضروری ہے جو مقرر کردہ مقام پر ہی کیا جا سکتا ہے۔ مکہ میں قیام کرنے کی وجہ سے ہمیں میقات کی طرف جانے کی بجائے تنعیم تک جانا تھا۔ یہ جگہ مسجد عائشہ کے نام سے زیادہ مشہور ہے۔ میں نے سوچا احرام ساتھ لے لیتا ہوں۔عصر کی نماز ادا کر کے مسجد عائشہ کی طرف روانہ ہو جائیں گے اور مغرب کے وقت تک واپس بھی آ جائیں گے۔سو عصر کی نماز کی ادائیگی کے لئے جب ''باب الملک فہد'' سے گذرنے لگے تو گیٹ پر موجود سرکاری اہلکار نے اعتراض کیا کہ آپ احرام ہاتھ میں لے کر اندر نہیں جا سکتے۔ اہل کار کا فرمان درست تھا لیکن لہجہ درست نہیں تھا۔ بائیں طرف تھوڑا سا چل کر ''باب العمرہ'' کی طرف گئے تو وہاں کے اہلکار نے نہ صرف شائستگی سے بات کی بلکہ مسئلے کا حل بھی نکال لیا۔ میرا احرام قریب کی ایک جگہ پر رکھوا کر مجھے تسلی دی کہ اسے یہاں سے کوئی نہیں لے جائے گا....اور واقعی ایسا ہی ہوا.... ''باب العمرہ'' سے اندر جا کر میں نے حطیم کے عین سامنے جگہ حاصل کی۔ حطیم کے اندر تو نوافل ادا کر چکا تھا اب اسے رُکن شامی سے رُکن عراقی تک والی دیوار اور دیوار پر لگے سنہری پرنالے کے جلو میں اس پورے منظر کے ساتھ۔اور تھوڑے سے فاصلے سے دیکھنا چاہتا تھا۔ سو دیکھا اور جی بھر کے دیکھا۔

موجودہ کعبہ مربع شکل میں ہے جبکہ حضرت ابراہیم والی بنیادوں کے مطابق حطیم کو اس میں شامل کر کے دیکھیں تو پھر یہ ایک حد تک مستطیل بن جاتا ہے ویسے حطیم کی دیوار دونوں طرف سے تھوڑی سی گولائی میں ہے۔ یہ دیوار اونچائی میں قدِ آدم سے تھوڑی سی کم

ہے۔ مجھے یاد پڑتا ہے کہ تاریخ تعمیر کعبہ میں کہیں یہ بھی پڑھا تھا کہ حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل نے جب کعبہ کی تعمیر کی تھی تو اس کی اونچائی بھی لگ بھگ اتنی ہی تھی جتنی اب حطیم کی دیوار کی ہے۔تب چھت بھی نہیں ڈالی گئی تھی۔ باقی اضافے وقت کے ساتھ ساتھ بعد میں ہوتے گئے۔

عصر کی نماز کی ادائیگی کے بعد مبارکہ اور میں مسجد عائشہ کے لئے روانہ ہوئے۔حرم شریف کے قریب ہی بسوں کا اڈہ ہے۔ یہاں سے مختلف اطراف میں بسیں جاتی ہیں۔ ہم مسجد عائشہ جانے والی بس میں بیٹھے اور آخری اسٹاپ پر اتر گئے۔مسجد خاصی خوبصورت تھی۔نہانے کے لئے سرکاری طور پر اچھے انتظامات تھے۔ میں نہا کے، احرام باندھ کے باہر نکلا۔مبارکہ مجھ سے پہلے ہی مسجد کے خواتین والے حصہ میں جا چکی تھی۔ میں نے مسجد میں دو نفل ادا کئے، عمرہ کی نیت کی۔ یہ عمرہ میں اپنے ابا جی کی طرف سے کرنے جا رہا تھا۔تلبیہ شروع کی۔ مسجد سے باہر آیا تو مبارکہ باہر منتظر کھڑی تھی۔ مسجد عائشہ سے حرم شریف آئے۔اس بار ''باب النبی'' سے گذر کر حرم شریف میں داخل ہوئے۔ آگے جا کر تھوڑا سا بائیں ہاتھ کو ہوئے تو ''باب عباس'' کی سیدھ میں آ گئے۔اسی سیدھ میں کعبہ شریف کی طرف بڑھتے گئے۔اب کعبہ شریف کی جو دیوار ہمارے سامنے تھی اس کے دائیں طرف حطیم اور بائیں طرف حجر اسود ہے۔حجر اسود سے تھوڑا سا دائیں جانب خانہ کعبہ کا دروازہ ہے۔ درِ کعبہ کو ملتزم شریف کہتے ہیں۔طواف کے سات چکر پورے کرنے کے بعد یہاں دو نفل پڑھنا باعثِ ثواب ہے۔ ہجومِ عاشقاں کے باعث نفل پڑھنے کے لئے جگہ نہ بن سکے تو دروازے کے سامنے کھڑے ہو کر بعض مخصوص دعاؤں کے ساتھ اپنی دلی دعائیں اپنی زبان میں بارگاہ خداوندی میں پیش کی جا سکتی ہیں۔کل میں نے ہمت کر کے درِ کعبہ کے سامنے دو نفل ادا کر لئے تھے۔ پھر کوشش کی کہ دروازے کی چوکھٹ تک رسائی حاصل کر سکوں، لیکن وہاں تو پہلے ہی سے انبوہِ عاشقاں تھا۔ بہت سے لوگ درِ کعبہ کی چوکھٹ سے لپٹے ہوئے، چمٹے ہوئے گریہ وزاری میں مصروف تھے۔

بندگی میں بھی وہ آزادہ وخود بیں ہیں کہ ہم
الٹا پھر آئے درِ کعبہ اگر وا نہ ہوا

مجھے درِ کعبہ کے وا ہونے کا ظاہری طور پر کوئی انتظار نہیں تھا کہ میرے باطن میں کعبہ کا دروازہ آہستہ آہستہ کھلنے لگا تھا۔ سو میں نے الٹا پھر آنے کی بجائے ملتزم کے سامنے دعا کے لئے ہاتھ اٹھا لئے تھے۔ جو کچھ مانگنا تھا، مانگتا چلا گیا تھا۔ یہاں سے پھر مقام ابراہیم کے سامنے آیا تھا، اس کے قریب دو نفل ادا کئے تھے، دعائیں کی تھیں لیکن یہ تو کل کی بات ہے....اب کہ ۲؍دسمبر اور ۳؍دسمبر کی درمیانی رات تھی۔ مجھے مقامِ ابراہیم کے سامنے نمازِ مغرب کی ادائیگی کی توفیق ملی۔ کعبہ کے اس رُخ کے دیدار کی سعادت دیر تک نصیب ہوتی رہی۔ نماز عشاء کی ادائیگی کے لئے میں نے خصوصی طور پر کوہ صفا کی طرف جانے والے گیٹ ''الصفا'' والی سائڈ سے جگہ منتخب کی۔ یہاں سے کعبہ کی جو دیوار سامنے تھی اس کے دائیں جانب کونے میں حجرِ اسود اور بائیں جانب رکن یمانی ہے۔ یہ دیوار اس لحاظ سے اہم ہے کہ طوافِ کعبہ کا آغاز اس کے سائے میں شروع ہوتا ہے۔ اس کے دائیں کونے میں حجرِ اسود سے طواف کا آغاز ہوتا ہے اور اسی جگہ پر پہنچ کر اختتام ہوتا ہے۔ گویا آغاز بھی وہی تھا اور اختتام بھی وہی تھا۔ وہی اوّل، وہی آخر....طواف کے ہر چکر پر حجرِ اسود کے مقام سے ایک مخصوص دعا پڑھنا شروع کی جاتی ہے اور رُکن یمانی تک پہنچنے تک اسے مکمل کرنا ہوتا ہے۔ لیکن میں عموماً مقام ابراہیم تک عربی دعا پڑھ لیتا تھا، پھر حطیم کے نصف حصہ تک پہنچتے پہنچتے دعا کا اُردو ترجمہ بھی پڑھ لیتا تھا اور باقی وقت اپنی زبان میں اپنی دعائیں کرتا ہوا رُکن یمانی تک پہنچتا تھا۔ وہاں سے حجرِ اسود تک پھر ایک اور مخصوص دعا پڑھنی ہوتی ہے۔ اس بار طوافِ کعبہ کے ساتوں چکروں میں مجھے اباجی کی حضرت ابراہیم علیہ السلام، حضرت اسماعیل علیہ السلام اور حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ سے محبت کے جذبات بار بار یاد آتے رہے۔ مبارکہ آج کا عمرہ اپنی والدہ مرحومہ یعنی میری ممانی مجیدہ کی طرف سے کر رہی تھی اور میں یہ عمرہ ابا جی کی طرف سے کر رہا تھا۔ پہلے تو اس سوچ کے ساتھ شدّت سے دل بھر آیا کہ آج اباجی خود زندہ ہوتے اور ہم باپ، بیٹے ایک ساتھ یہ سعادت حاصل کر رہے ہوتے تو کتنا اچھا ہوتا۔ لیکن پھر یہ درد اباجی کی مغفرت کے لئے دعاؤں کے ساتھ خدا کی شکر گذاری میں ڈھل گیا کہ مجھ جیسے ملامتی شخص کو نہ صرف اس ارضِ مقدّس میں حاضری کی سعادت بخشی بلکہ اباجی کی دیرینہ آرزو اُن کی وفات کے

باوجود میرے ذریعے سے پوری کرا دی۔ درد اور شکر گزاری کی لہریں پھر بھی ایک دوسرے میں مدغم ہوتی رہیں۔ اس سے عمرہ کے سرور میں اضافہ ہوا۔ طواف سے سعی تک تمام مراحل میں یہ سرور قائم رہا۔ اب سوچتا ہوں کہ اباجی کی طرف سے وہ عمرہ نہ کرتا تو اس انوکھی لذّت سے آشنا ہی نہ ہوتا جو اس عمرہ کے دوران نصیب ہوئی۔ رات ساڑھے گیارہ بجے ہم اپنے کمرے میں پہنچے۔ وہاں سے برتن لے کر میں آبِ زم زم لینے چلا گیا۔ جب سے ''بئر زم زم'' کے الفاظ لکھے دیکھے ہیں آبِ زم زم پیتے ہوئے تبرّک کے احساس کے ساتھ ایک اشتیاق سا بھی ہونے لگا تھا۔ سوا بارہ بجے تک آبِ زم زم لے کر لوٹا تو ۳؍دسمبر کی تاریخ شروع ہو چکی تھی۔ رات ایک بجے کے قریب آنکھ لگی۔

☆☆☆

تیسرا عمرہ

فرطِ شوق سے پونے چار بجے ہی آنکھ کھل گئی۔ میں نے اچھی طرح سے غسل کیا۔ پھر مبارکہ کو جگایا.... جب ہم لوگ حرم شریف کے قریب پہنچے تہجد کی اذان ہونے لگی۔ نماز کی ادائیگی کے وقت خواتین کو آگے نہیں آنے دیا جاتا۔ سو مبارکہ رستے میں خواتین کے ایک حصے میں چلی گئی اور میں نے حطیم کے سامنے ایک جگہ منتخب کی۔ ایک بار پھر میں حطیم کے روبرو تھا۔ حطیم کی چھوٹی لیکن خوبصورت گولائی والی دیوار کے دائیں بائیں کبھی ایک جنگلہ سا سجا دیا جاتا ہے، کبھی اسے ہٹا دیا جاتا ہے۔ دائیں، بائیں اور درمیان میں بجلی کے تین بڑے سے چراغ روشن ہیں۔ نماز تہجد سے نماز فجر کے درمیانی عرصہ میں دیدار کعبہ کے ساتھ نوافل اور دعاؤں کا سلسلہ جاری رہا۔ فجر کی نماز کے بعد ہم لوگ اپنے کمرے میں واپس آ گئے۔ ناشتہ کیا اور پھر بے سُدھ ہو کر سو گئے۔ پونے بارہ بجے کے قریب بیدار ہوئے اور ظہر کی نماز کے لئے جانے کی تیاری کرنے لگے۔ اسی دوران ظہر کی اذان ہونے لگی۔ ہم جب حرم شریف کے قریب پہنچے نماز کی تکبیر شروع ہو گئی۔ بس پھر جہاں جگہ ملی نماز ادا کر لی۔ نماز کے بعد ہم ''باب مروہ'' سے باہر کی طرف مارکیٹ میں چلے گئے۔ وہاں تھوڑی بہت خریداری کی۔ بیوی ساتھ ہو تو جتنا خرچہ بھی ہو جائے خریداری ''تھوڑی بہت'' ہی کہلاتی ہے۔ خریداری کے بعد وہیں ایک پاکستانی ہوٹل میں دوپہر کا کھانا کھایا۔ کھانے کے بعد مبارکہ حرم شریف میں چلی گئی۔ میں سارے سامان سمیت اپنے ہوٹل والے کمرہ میں گیا۔ وہاں سارا سامان رکھا اور پھر بھاگم بھاگ واپس حرم شریف پہنچا۔ عصر کی نماز میں ابھی پندرہ بیس منٹ کی دیر تھی۔ میں ''باب السلام'' سے اندر داخل ہوا۔ اس رستے سے خانہ کعبہ

کی دو دیواریں صاف نظر آتی ہیں۔ دائیں طرف رکن شامی سے رکن عراقی تک والی دیوار اور حطیم۔ بائیں طرف ملتزم (درِ کعبہ) والی دیوار.... ساتھ ہی کونے میں حجر اسود ہے۔ ملتزم کے سامنے مقام ابراہیم... ''باب السلام'' کی گذرگاہ تو بڑی برکتوں والی نکلی۔ ایک نظر میں اتنے جہان دکھا دیئے۔ میں اس گذرگاہ سے صحنِ کعبہ کے قریب والی سیڑھیوں تک آیا۔ پھر وہیں بائیں جانب ایک صف میں بیٹھ گیا۔ تھوڑا سا بائیں جانب ہو کر بیٹھنے کے نتیجہ میں باقی سارے منظر تو ٹھیک دکھائی دے رہے تھے۔ لیکن حجر اسود کا کونہ مقام ابراہیم کی اوٹ میں آ گیا تھا۔ اچانک ایک صاحب میرے آگے آ کر نماز پڑھنے لگے۔ عصر کے وقت کا سورج چمک رہا تھا۔ ان صاحب کا احرام ہلکے لٹھے کا تھا۔ لٹھا میں نے احتراماً لکھ دیا ہے آپ اسے تھوڑی سی موٹی ململ سمجھ لیں تو صورتحال بہتر طور پر واضح ہو سکے گی۔ کچھ احرام کے کپڑے کی باریکی اور نزاکت تھی، کچھ سورج کی کرنوں نے شوخی کی جو اُن کے احرام سے چھن چھن کر باہر آنا چاہتی تھی۔ موصوف کے قیام اور رکوع تک تو پھر بھی معاملہ غنیمت تھا لیکن جب وہ سجدہ میں گئے تو کپڑے کی نزاکت اور سورج کی سامنے سے پڑتی ہوئی کرنوں کی شوخی نے عجب گل کھلا دیا۔ ستم بالائے ستم سجدۂ شوق خاصا طویل ہو گیا۔ خدا شاہد ہے کہ طواف سے سعی تک تمام مرحلوں میں خواتین کی موجودگی نے کبھی بھی میرے ارتکاز میں خلل پیدا نہیں کیا لیکن ان صاحب کے اس سجدہ کے منظر نے میرے دھیان کو توڑ کر مجھے کراہت آمیز بیزاری کی حد تک پہنچا دیا۔ میں نے ذہن کو حضرت لوط علیہ السلام کی نافرمان قوم کے انجام کی طرف لے جانے کی کوشش کی لیکن اس میں مغرب کا جدید ''گے کلچر'' گھس آیا۔ خدا خدا کر کے ان صاحب کی نماز مکمل ہوئی اور مجھے اس اذیت سے نجات ملی۔ تب ہی مجھے خیال آیا کہ میرا احرام تو لیے جیسے کپڑے کا ہے اور میں نے خدا کا لاکھ لاکھ شکر ادا کیا۔

اب مجھے یاد آ رہا ہے کہ زمانۂ جاہلیت میں جب کفار مکہ طواف کعبہ کرتے تھے تو چند قبیلوں کو چھوڑ کر زیادہ تر خواتین و حضرات بالکل برہنہ ہو کر طواف کیا کرتے تھے۔ اسے آپ جہالت بھی کہہ سکتے ہیں لیکن اُس زمانے کے لحاظ سے اس کے دو جواز میری سمجھ میں آتے ہیں۔ ہو سکتا ہے وہ لوگ یہ سمجھتے ہوں کہ خدا کی نظر تو ہمارے پاتال تک جاتی ہے اور جب ہم عبادت کے

ارفع ترین مقام پر آئے ہیں تو خدا کے سامنے کسی ظاہری لباس کی ضرورت نہیں ہے۔ جیسے اس نے ہمیں اس دنیا میں پیدا کیا ویسے ہی ہم اس کی بارگاہ میں حاضر ہو رہے ہیں۔ اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ برہنہ ہو کر طواف کعبہ کرنے کی صورت میں وہ لوگ اپنی نفس کشی کا ثبوت دیتے ہوں۔ اسلام نے برہنہ ہو کر طواف کرنے کی رسم کو ختم کر دیا۔ اسلام میں احرام کی اہمیت پر غور کرتا ہوں تو اس کے بعض روحانی اور ثقافتی پہلو سامنے آتے ہیں۔ احرام کا ایک حوالہ یہ بنتا ہے کہ انسان کو کفن کی چادروں کا احساس رہے۔ موت ہمارا انجام ہے۔ مرنے کے بعد کفن میں اگلے جہان جانا ہے اور کچھ بھی ساتھ نہیں لے جانا ہے۔ یہ احساس زندہ رہے تو معاشرے سے بہت سی برائیاں از خود ختم ہو جاتی ہیں.... احرام سے یہ تاثر بھی بنتا ہے کہ ہماری اب تک کی پہلی زندگی کے سارے گناہ خدا نے بخش دیئے ہیں۔ اب ہم ایک نیا جنم لے رہے ہیں اور آئندہ ہم نے گناہوں سے پاک زندگی بسر کرنی ہے.... احرام کو ارضِ حجاز کے قدیم ثقافتی حوالے سے دیکھیں تو اس کا اَن سِلا ہونا۔ مکمل برہنگی اور مکمل لباس کی درمیانی کڑی قرار پاتا ہے۔ اسلام نے مکمل برہنگی کی ممانعت کر دی لیکن مکمل لباس پہننے سے بھی روک دیا اور دونوں کے درمیان والے رستے یعنی اَن سِلے احرام کی چادروں کو پسند فرمایا۔ میں سمجھتا ہوں کہ اسلام نے بشری کمزوریوں کا احساس کیا ہے اور میرے جیسے گناہ گاروں کو کسی نفسانی آزمائش اور ابتلا میں ڈالے بغیر روحانی لحاظ سے خدا کے ساتھ تعلق کو اعلیٰ سطح تک لے جانے کا امکانی راستہ دکھا دیا ہے۔

نمازِ عصر کی ادائیگی کے بعد ہم پھر خریداری کے لئے نکل گئے۔ دوپہر کو زیادہ تر زیورات کی خریداری کی تھی۔ اب کپڑوں کی خریداری کا موسم تھا۔ مغرب کی نماز سے پہلے مجھے پھر اپنے کمرے میں سامان چھوڑنے کے لئے آنا پڑا۔ مبارکہ حرم شریف جا چکی تھی۔ نماز مغرب کے بعد ہمیں حجر اسود کی سیدھ والی پٹی پر ملنا تھا مگر مغرب تک زائرین کا اتنا زیادہ رش ہو گیا کہ مجھے اور مبارکہ کو ایک دوسرے تک پہنچنے میں خاصا وقت لگ گیا۔ ہم پھر بذریعہ بس مسجد عائشہ کے لئے روانہ ہوئے۔ وہاں عمرہ کے لئے غسل کیا، احرام باندھا، دو نفل پڑھے، نیت عمرہ کی اور تلبیہ پڑھتے ہوئے پھر بذریعہ بس حرم شریف آ گئے۔ آج مبارکہ نے اپنے والد اور میرے ماموں ناصر کی

طرف سے عمرہ کرنا تھا اور میں نے اپنی امی جی کی طرف سے... امی جی اور ماموں ناصر میں گہری محبت تھی۔ شاید یہ اسی محبت کا اثر تھا کہ میرے اور مبارکہ کے عمرے دونوں بہن بھائی کے لئے ایک ہی وقت میں ہو رہے تھے، حالانکہ ہم نے اس سلسلے میں پہلے سے کچھ بھی طے نہیں کیا تھا۔

طواف اور سعی کے دوران امی جی شدت سے یاد آتی رہیں۔ میں ایک عرصہ تک یہی سمجھتا رہا ہوں کہ دنیا کی ساری مائیں ایک جیسی ہوتی ہیں۔ لیکن دنیا کو دھیان سے دیکھا تو لوگو ں کی ناگنوں اور ڈائنوں جیسی مائیں بھی دیکھیں۔ اپنی اولاد کے گھروں کو خود اجاڑ دینے والی مائیں، بہو دشمنی میں بیٹوں کی زندگی میں زہر گھول دینے والی مائیں اور حرص و ہوس کی ماری، ممتا کے نور سے عاری مائیں۔ جب سے میں نے لوگوں کی ایسی مائیں دیکھی ہیں اپنی والدہ مرحومہ سے میری محبت کا تعلق اور بھی گہرا ہو گیا ہے۔ ایسی مائیں بہت کم ہوتی ہیں جو اپنے جذبوں، اپنی خوشیوں اور اپنی خواہشوں کی خاموشی کے ساتھ قربانی دیتی چلی جائیں اور اولاد کو کبھی اشارتاً بھی اس کا احساس نہ دلائیں۔ مجھے ایک طرف امی جی کی محبتوں اور دعاؤں کی پھوار بھگو رہی تھی تو دوسری طرف بی بی ہاجرہ کی عظیم ہستی شفقت کے بادل کی طرح میری روح پر چھائی ہوئی تھی۔

طواف اور سعی سے فارغ ہونے کے بعد میں نے مبارکہ کو بتایا کہ حطیم میں ہم پہلے بھی نوافل ادا کر چکے ہیں لیکن آج ہم ایک سنّت پر عمل کرنے کا ثواب بھی حاصل کریں گے پھر میں نے اسے بتایا کہ ایک بار حضرت عائشہؓ نے حضور ﷺ کی خدمت میں خواہش ظاہر کی تھی کہ وہ خانہ کعبہ کے اندر نماز پڑھنا چاہتی ہیں تب حضور ﷺ نے حضرت عائشہؓ کا ہاتھ پکڑا اور انہیں حطیم میں لاتے ہوئے ارشاد فرمایا یہاں نماز پڑھ لیں کیونکہ حطیم بھی کعبہ کا حصہ ہے۔ یہ بات کہہ کر حضورؐ نے پھر ارشاد فرمایا: نیا نیا ایمان لانے کے باعث اگر مجھے اپنی قوم کے ابتلا کا ڈر نہ ہوتا تو میں کعبہ کی عمارت کو گرا کے پھر سے ابراہیمی بنیادوں پر تعمیر کراتا۔ یہ بتا کر میں نے سنتِ رسولؐ کی پیروی میں مبارکہ کا ہاتھ پکڑا اور اسی طرح اسے لے کر حطیم میں داخل ہوا۔ یہاں ہم نے نوافل ادا کئے۔ خدا کے احسانات کی شکر گذاری کی، دلی دعائیں کیں حطیم والی طرف خانہ کعبہ کی جو دیوار ہے اس سے بہت سارے لوگ چمٹے ہوئے تھے۔ یکا یک مجھ پر منکشف ہوا کہ۔۔۔ یہ سامنے والی دیوار

تو صرف ظاہری پردہ ہے وگرنہ میں جو حطیم میں بیٹھا ہوا ہوں

درحقیقت خانہ کعبہ کے اندر ہی بیٹھا ہوا ہوں۔ عجیب لذّت آفریں اسرار تھا کہ میں بیک وقت کعبہ کے اندر بھی تھا اور باہر بھی۔ یہ داخلیت اور خارجیت کی بحث تو بس ایسے ہی ہے۔ اس انوکھے تجربے نے مجھے احساس دلایا کہ ہمارا باہر بھی ہمارے اندر کا ایک حصہ ہے۔ لیکن پھر اسی بھید کا ایک اور مرحلہ بھی مجھ پر منکشف ہوا۔

ظاہر، باطن عین ایانی، ہُو ہُو پیا سنیوے ہُو

سلطان باہو کے اس عارفانہ تجربے جیسی ہی کوئی بات تھی لیکن میرے لئے ناقابلِ بیان ہے۔

حطیم سے باہر آئے تو اپنے کمرے کی طرف جاتے ہوئے مبارکہ نے کہا حضرت عائشہؓ کی حطیم میں نماز پڑھنے والی روایت سے مجھے یاد آیا ہے کہ جب حجاج بن یوسف نے کعبہ کی ابراہیمی بنیادوں والی عمارت کو گرا کر اسے پھر موجودہ بنیادوں پر تعمیر کرا دیا تب کسی نے حجاج کو اس روایت سے آگاہ کیا۔ تب حجاج بن یوسف نے افسوس کیا اور کہا کہ مجھے پہلے سے اس کا علم ہوتا تو عبداللہ بن زبیرؓ کی تعمیر کرائی ہوئی ابراہیمی بنیادوں کو ہرگز نہیں چھیڑتا، ویسے ہی رہنے دیتا۔ مبارکہ کی اس بات کے جواب میں تب میں نے کہا کہ حجاج بن یوسف کے سامنے مسئلہ ابراہیمی بنیادوں کا تھا ہی نہیں۔ ان کے سامنے تو مسئلہ یہ تھا کہ وہ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کے لئے کوئی یادگار کریڈٹ رہنے نہیں دینا چاہتے تھے۔ ان کا مسئلہ ان کے اپنے اقتدار کے استحکام کا تھا۔ اگر حجاج بن یوسف کو حضورؐ کی روایت کا اتنا ہی پاس تھا تو ایک بار عمارت گرانے کے بعد دوسری بار بھی گرا کر ابراہیمی بنیادوں پر دوبارہ تعمیر کرا لینے میں کیا پریشانی تھی؟..... یہ میرے ذہن کا تاثر تھا لیکن میرا دل مجھے کہہ رہا تھا کہ حجاج کی نیت کا معاملہ خدا پر چھوڑو۔ یہ دیکھو کہ اگر حجاج نے ایسا نہ کیا ہوتا تو تم نے کعبہ کے باہر بیٹھ کر کعبہ کے اندر بیٹھنے کا روحانی تجربہ کیسے کیا ہوتا!

☆☆☆

مکّہ کے تاریخی اور مقدس مقامات

۶/دسمبر کو ہمیں مکہ شریف پہنچے چوتھا دن ہو رہا تھا سو گرد و نواح کے تاریخی اور مقدس مقامات دیکھنے کا پروگرام بنا۔ صبح ۶ بج کر ۲۵ منٹ پر ہم روانہ ہوئے اور سوا نو بجے تک لوٹ آئے۔ ایک پاکستانی ٹیکسی ڈرائیور نے یہ سارے مقامات دکھائے اور بہترین گائیڈ ثابت ہوا۔ ہمارے ہوٹل سے قریب ترین مقام ''شبیقہ'' تھا۔ یہ وہ خوفناک قبرستان ہے جہاں زمانۂ جاہلیت میں کفّارِ مکہ اپنے گھر میں بیٹی پیدا ہونے پر ''غیرت'' کا مظاہرہ کرتے تھے۔ بیٹی کو یہیں لا کر زندہ گاڑ دیا کرتے تھے۔ انسان اپنی جہالت کے باعث ''غیرت'' کے نام پر کیسے کیسے ظلم ڈھاتا رہا ہے اور آج بھی دوسرے حوالوں سے یہی جہالت ''غیرتوں'' کے کیسے کیسے غیر انسانی مظالم کو فخریہ طور پر روا رکھ رہی ہے۔ ویسے اُس زمانے میں سارے قبیلے ایسا نہیں کرتے تھے۔ بعض قبیلے ہی جھوٹی غیرت کے نام پر اس انسانیت سوز ظلم کے مرتکب ہوتے تھے۔ اس وقت اچانک مجھے ایسے لگا ہے جیسے اُن سفاک لوگوں سے میری بھی کوئی دور کی، پرانی رشتہ داری ہے۔ شاید اسی لئے مجھ سے ایسا شعر ہوا ہے:

اس کی چیخوں کی صدا آج بھی آتی ہے مجھے
میں نے زندہ ہی تری یاد کو دفنایا تھا

شبیقہ سے تھوڑا آگے گئے تو ''جنت المعلیٰ'' آ گئی۔ یہ جگہ دیکھ کر ایسا لگا جیسے کوئی مفلوک الحال جنت بی بی بیوہ بھی ہوگئی ہو۔ قبر پرستی سے خوف بھی کیا کیا گل کھلا دیتا ہے۔ سعودی خاندان نے امّت مسلمہ کو ''مشرکانہ'' رسومات سے بچانے کے لئے

پورے قبرستان پر بلڈوزر چلوادیا ہے۔ یہاں اب قبرستان نہیں بلکہ ’’رڑا میدان‘‘ ہے۔ حضرت خدیجۃ الکبریٰ ؓ، حضرت عبدالمطلبؓ، حضرت ابوطالبؓ، حضور اکرم ﷺ کے تین صاحبزادگان حضرت قاسمؓ، حضرت طاہرؓ اور حضرت طیبؓ (چوتھے فرزند حضرت ابراہیمؓ مدینہ میں جنت البقیع میں مدفون ہیں) اور متعدد صحابۂ کرامؓ اس قبرستان میں مدفون ہیں۔ جنت البقیع کے بعد یہ قبرستان دنیا بھر کے قبرستانوں سے افضل سمجھا جاتا ہے لیکن یہاں آپ کسی مزار کی نشاندہی نہیں کر سکتے۔ کوئی پتہ نہیں کہ کون کہاں مدفون ہے۔ اگر قبر کا کچی مٹی کا تعویذ بھی نہیں رہنے دینا تو پھر قبر پرستی سے اتنے ڈرنے والے ’’موحدین‘‘ کو تدفین کی ضرورت ہی کیا ہے۔ سیدھا سیدھا رام نام ست ہے۔ بولو....اور شمشان گھاٹ لے چلو۔ نہ رہے کوئی قبر اور نہ رہے قبر پرستی کا خوف۔ پکے موحد بن جائیے۔ (استغفراللہ)

جنت المعلّیٰ کے کھلے میدان میں (اسے قبرستان کی جگہ اب میدان ہی کہنا چاہیے) میں نے کھڑے ہو کر سارے بزرگوں کے لئے دعا کی اور باہر نکل آیا۔ یہاں خواتین کو اندر جانے کی اجازت نہیں ہے۔ صرف طوافِ کعبہ اور سعی کے دوران عورتیں اور مرد یک جا ہوتے ہیں۔ تب روحانیت کے ساتھ انسانیت بھی معراج پر ہوتی ہے۔ کوئی فرقِ من و تو نہیں ہوتا۔ لیکن جیسے ہی نماز کی اذان ہوتی ہے پُلسیئے خواتین کو الگ سائڈ پر ہانکنا شروع کر دیتے ہیں۔ میں قبرستان سے باہر آیا تو مبارکہ مغموم سی کھڑی تھی۔ میں نے اسے دلاسہ دیا اور بتایا کہ میں اندر کا حال دیکھ کر زیادہ مغموم ہوا ہوں... جنت المعلّیٰ کے بعد ہم مسجد جن کے سامنے گئے۔ روایت ہے کہ جن صاحبان حضورؐ سے اس مقام پر ملے تھے اور ایمان لائے تھے۔ یہ مسجد صرف نماز کے معین اوقات میں کھلتی ہے پھر بند کر دی جاتی ہے۔ ہوسکتا ہے بعض زائرین یہاں آ کر بھی ’’مشرکانہ‘‘ حرکات کرتے ہوں جو جِنّوں کو اچھی نہ لگتی ہوں۔ مسجد جن سے تھوڑا آگے مسجد شجر ہے۔ یہاں ایک درخت تھا۔ آنحضرت ﷺ جب غارِ حرا تشریف لے جایا کرتے تھے تو آتے اور جاتے ہوئے اس درخت کے نیچے آرام فرمایا کرتے تھے۔ حضرت عمرؓ نے مشرکانہ رسومات کے ڈر سے وہ درخت کٹوا کر وہاں مسجد بنوادی۔ اب اس مسجد کو مسجد عمر فاروقؓ کہتے ہیں۔ مسجد عمر کے نزدیک ہی مسجد

الرایۃ ہے۔ اسے مسجد الفتح بھی کہتے ہیں۔ فتح مکہ کے موقعہ پر حضورؐ نے یہاں اسلام کی فتح کا پرچم لہرایا تھا۔ اسی جگہ کعبہ کا متولی رہتا تھا۔ کعبہ کی چابی اس کے پاس ہوتی تھی۔ اس سے چابی لے کر حضورؐ نے خانہ کعبہ کے اندر رکھے ہوئے ۳۶۰ بت توڑے تھے اور کعبہ کی دیواروں سے لگی ہوئی تصویریں بھی پھاڑ دی تھیں۔ بت توڑنے اور تصویریں پھاڑنے کے بعد حضورؐ نے خانہ کعبہ کی چابی پھر اسی متولی خاندان کے سپرد کر دی تھی۔ سعودی خاندان کے آنے کے بعد کیا صورتحال ہے؟ مجھے اس کا علم نہیں ہے۔ تاہم خانہ کعبہ کی چابی آج بھی مسجد الفتح ہی میں محفوظ ہوتی ہے۔ خانہ کعبہ میں موجود ۳۶۰ بتوں کو توڑنے کے تاریخی واقعہ کے ساتھ ہی مجھے ہندوستان کے بی جے پی کے ایک لیڈر کا بیان یاد آ گیا۔ بابری مسجد کی شہادت کے ساتھ ہی جامع مسجد دہلی اور بعض دیگر مساجد کے بارے میں بھی اشتعال انگیز بیان داغے گئے تھے۔ جس نے جلتی پر تیل کا کام کیا۔ جب مسلم لیڈروں نے دکھ اور غصے کی حالت میں شدید ردعمل ظاہر کیا تب طاقت کے نشے میں بی جے پی کے ایک لیڈر نے یہاں تک کہہ دیا کہ آپ ہندوستان کی مسجدوں کے معاملے پر شور کر رہے ہیں، ہمیں تو مکہ میں اپنا بڑا مندر بھی لینا ہے جہاں آپ نے ہمارے سارے بُت توڑ کر زبردستی قبضہ کر لیا تھا۔ لیکن اس بیان کے ساتھ ہی ایسا طوفانی ردِّعمل سامنے آیا تھا کہ بی جے پی کے لیڈر گھبرا گئے۔ ان کی ہائی کمان نے فوراً اس بیان سے لاتعلقی کر کے اور معذرت خواہانہ وضاحت کر کے اپنی جان چھڑائی۔

اسلام جہاں بت پرستی کے خلاف ہے وہیں تصویر کی بھی ممانعت کرتا ہے۔ شروع شروع میں فوٹوگرافی کے لئے مذہبی رہنماؤں نے مجبوری کے تحت جائز کا فتویٰ دیا اور پھر شخصیت پرستی کے رویّے کو پوری طرح فروغ دیا۔ بعض ’’موحد‘‘ فرقوں کے گھروں میں جا کر دیکھیں تو پتہ چلتا ہے کہ ہندوؤں کے گھروں میں کرشن جی اور رام جی کی مورتیاں اتنے اہتمام سے نہیں سجی ہوں گی جتنے اہتمام سے ان ’’موحد‘‘ فرقوں کے رہنماؤں کی تصویریں سجی ہوئی ہیں۔ پھر بعض ’’موحد‘‘ قسم کی حکومتوں نے سرکاری کرنسی نوٹوں پر اپنی شاہانہ تصویریں طمطراق سے چھپوا رکھی ہیں۔ بس جہاں جی چاہے بت پرستی اور تصویر پرستی کی مذمّت کر دیجئے اور جہاں جی چاہے اپنی نمائش پسند

نفسانی خواہشات کی تکمیل کے لئے جواز پیدا کر لیجئے۔

براہیمی نظر پیدا مگر مشکل سے ہوتی ہے
ہوس چھپ چھپ کے سینے میں بنا لیتی ہے تصویریں

مسجد الفتح کے بعد ہم نے مسجد علیؓ دیکھی۔ حضرت علیؓ اکثر عشاء کی نماز یہاں پڑھایا کرتے تھے اسی مناسبت سے اس کا نام مسجد علیؓ ہے۔ کافی خوبصورت مسجد ہے۔ یہاں سے ہم حرم شریف کی دوسری سمت میں آ نکلے۔ جبل الابوقبیس کے ایریا میں بہت سارے اسلامی تاریخی مقامات تھے مثلاً حضور اکرم ﷺ کا مقام پیدائش، حضرت ابوبکر صدیقؓ کا مکان، حضرت حسّان بن ثابتؓ، حضرت عبداللہ بن زبیرؓ اور متعدد دیگر صحابہ کرام کے مکانات....شعبِ ابی طالب جہاں مسلمانوں کو تین سال کے لگ بھگ کفار مکّہ کی ''نفرت انگیز دینی غیرت'' کا نشانہ بن کر محصور ہونا پڑا تھا۔ کفار مکہ نے مسلمانوں کا انتہائی سخت سوشل بائیکاٹ کیا تھا...یہ سارے مقامات ضائع کر دیئے گئے ہیں۔ ایک طرف ''مکتبہ مکۃ المکرّمہ'' کے نام سے کتب خانہ بنا دیا گیا ہے۔ دوسری طرف شاہی خاندان کے محلّات میں بعض مقام غائب ہو گئے ہیں۔ شاہی خاندان کے محلّات کے سلسلے میں تو کوہ صفا کا بہت سارا حصہ بھی لے لیا گیا ہے۔ سعی کرنے والوں کے لئے تھوڑی سی کوہ صفا کی نشانی چھوڑ دی گئی ہے جو ظاہر ہے شاہی خاندان کی خاص مہربانی ہے۔ جبل الابوقبیس کے بارے میں دو روایتیں مشہور ہیں۔ ایک یہ کہ حضورؐ نے یہیں سے چاند کو دو ٹکڑے کرنے کا معجزہ دکھایا تھا۔ دوسری یہ کہ زمین کو متوازن رکھنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے پہلا پہاڑ یہی بنایا تھا، نیز حجر اسود اسی پہاڑ سے لیا گیا تھا۔ شق القمر والے مقام پر اب ایک مسجد ہے اسے مسجد بلال کہا جاتا ہے۔

جبل ابوقبیس کے بعد ہم مکہ مکرمہ سے تھوڑا باہر جبل ثور کی طرف گئے۔ اس پہاڑ کی چوٹی پر غارِ ثور ہے۔ یہ وہی غار ہے جہاں آنحضرت ﷺ نے ہجرتِ مدینہ کے دوران تین راتیں قیام فرمایا تھا۔ کفار مکہ آپؐ کی تلاش میں تھے۔ اس سفر ہجرت میں حضرت ابوبکر صدیقؓ بھی حضورؐ کے ہمراہ تھے یوں ''یارِ غار'' کا اعزاز ان کا نصیب ہو گیا...غار ثور خاصی دور تھا۔ میں پہاڑ کی چڑھائی

چڑھ کر چوٹی تک جانا چاہتا تھا مگر مبارکہ کی حالت کا خیال کر کے اپنی یہ خواہش چھوڑ دی۔ یوں بھی غارِ ثور تک پہنچنے کے لئے اور پھر واپس آنے کے لئے پورے ایک دن کا پروگرام بنانا ضروری ہے۔ یا پھر دشمنوں کا کوئی گروہ پیچھے لگا ہو تو چڑھائی آسان ہو سکتی تھی...لیکن میرے اندر کے صحرا میں کہیں، کسی طرف میرے اپنے ہی اندر کے کافروں اور دشمنوں کا ایک گروہ بھی تو میرے پیچھے لگا ہوا ہے اور مجھے ابھی تک اپنی ذات کے غار ثور تک پہنچنا نصیب نہیں ہو سکا۔ شاید میں ابھی تک اپنی ذات میں شعبِ ابی طالب کے مرحلے سے گذر رہا ہوں....آنحضرت ﷺ جب اس غار میں قیام فرما تھے تب غار کے دہانے تک پہنچ کر رک جانے والے کھوجیوں نے دعوے سے کہہ دیا تھا کہ یا تو آپؐ اسی غار کے اندر ہیں یا آسمان پر چلے گئے ہیں۔ غار کے اندر موجودگی اس لیے ماننے میں نہیں آتی تھی کہ غار کے دہانے پر مکڑی نے جالا بُن دیا تھا۔ چنانچہ پھر بعض لوگوں نے رائے ظاہر کی کہ چونکہ حضورؐ ایک بار پہلے بھی طائف جا چکے ہیں اس لئے ممکن ہے اب پھر طائف چلے گئے ہوں کیونکہ جبل ثور کے دوسری طرف اتر جائیں تو وہاں سے لگ بھگ ۱۰۰ کلومیٹر کے فاصلے پر طائف شہر ہے۔

جبل ثور کو دور سے دیکھنے کے بعد ہم میدان عرفات کی طرف نکل گئے۔ ۹/ذی الحج کو حاجی صاحبان یہاں پہنچتے ہیں۔ وقوفِ عرفات حج کا رکن اعظم ہے۔ یہاں قیام کر کے دن بھر دعائیں کی جاتی ہیں۔ ہمارا ٹیکسی ڈرائیور بتا رہا تھا کہ روزِ حشر کو ساری دنیا یہیں جمع ہو گی۔ مجھے پہلے تو اس کی بات پر ہنسی آئی کہ صرف اسی زمانے کے پانچ ارب انسان بھی اس میدان میں سما نہیں سکتے تو سارے گذرے اور آنے والے زمانوں کے کھربوں انسان کہاں سمائیں گے۔ لیکن پھر یاد آیا کہ جدید سائنس نے تسلیم کیا ہے کہ اگر مادہ میں سے خلا نکال دیا جائے تو ساری کائنات کا مادہ چیچ بھر ہو گا۔ مادہ اتنا محدود ہو سکتا ہے تو روح تو ویسے ہی لطیف ہے۔ سو ضروری نہیں ہے کہ مذہبی عقائد کی حکمت ہم ایک دم ہی سمجھ جائیں۔ جہاں کچھ کچھ سمجھ جاتے ہیں، ہماری تسلی ہو جاتی ہے۔ جہاں بات پلّے نہیں پڑتی وہاں ٹامک ٹوئیاں مارتے رہ جاتے ہیں اور انہیں اپنی دانشوری سمجھ کر خوش ہو لیتے ہیں لیکن اس کے سوا چارہ بھی تو نہیں ہے...عرفات میں مسجد نمرہ کی

خاص اہمیت ہے۔اسے صرف حج والے دن کھولا جاتا ہے۔آنخضرت ﷺ نے اسی مقام پر وہ تاریخی خطبہ ارشاد فرمایا تھا جسے خطبہ حجۃ الوداع کہا جاتا ہے اور جس کی روح پر نیک نیتی سے عمل درآمد کی صورت میں آج بھی پوری انسانیت کے دکھوں کا مداوا کیا جاسکتا ہے۔اس مسجد کے بند دروازے کے سامنے قبلہ رو ہوکر میں نے اور مبارکہ نے شکرانے کے نفل پڑھے۔ یہاں سے ہم جبل الرحمت کی طرف آئے۔ یہ ایک چھوٹا سا پہاڑ ہے جسے ہم نے آسانی سے سر کرلیا۔روایت کے مطابق حضرت آدم علیہ السلام جنت سے نکالے جانے کے بعد عرصہ تک توبہ کرتے رہے۔اس مقام پر رحمت خداوندی نے ان کی توبہ قبول فرمائی اس لیے اسے جبل الرحمت کہتے ہیں۔ یہاں ایک چھوٹا سا ستون یادگار کے طور پر بنا ہوا ہے۔آنخضرت ﷺ بھی اس مقام پر تشریف لے گئے تھے اور وہاں جاکر کھڑے رہے تھے اس لئے وہاں جانا تو سنّتِ رسولؐ کی پیروی کے زمرہ میں بھی آجاتا ہے۔اس کے باوجود پہاڑ کے رستے کے شروع میں ایک بڑا سا بورڈ نصب کردیا گیا ہے جس میں اس جگہ کو صرف ایک تاریخی مقام قرار دے کر یہاں دعا کرنے سے بھی روکا گیا ہے۔ چلیں یہ صرف ایک تاریخی مقام ہی سہی۔لیکن وہاں دعا کرنے میں کیا قباحت ہے؟ کیا وہاں جا کر خدا سے دعا کی تو اس میں بھی شرک ہوجائے گا؟ میں نے اور مبارکہ نے یہاں کھڑے ہوکر دعا کی۔ میں نے تو اپنے اب تک کے گناہوں کے علاوہ آئندہ ہونے والے گناہوں کی بھی ایڈوانس میں معافی مانگ لی۔

عرفات سے مزدلفہ کی طرف جاتے ہوئے ایک دیوار سی دکھائی دی۔استفسار پر پتہ چلا کہ خلیفہ ہارون الرشید کی ملکہ زبیدہ نے جو تاریخی نہر بنوائی تھی، یہ وہی ہے۔اُس زمانے میں دجلہ وفرات سے یہاں مکہ تک حاجیوں کے لئے اور مسافروں کے لئے اتنی شاندار نہر بنوادینا بہت بڑی بات تھی۔مزدلفہ کے قریب مسجد مشعر الحرام ہے، یہ مسجد صرف حج والی رات کھلتی ہے۔ اس کے دروازے کے آگے بھی ہم دونوں نے نفل پڑھے۔ یہاں سے آگے بڑھے تو وادی محسّر اور جبل الابابیل نظر آئے۔جبل الابابیل وہ پہاڑ ہے جہاں سے ابابیلوں نے کنکر اٹھائے تھے اور خانہ کعبہ پر حملہ کرنے کے لئے آنے والے یمن کے بادشاہ کے، ہاتھیوں پر سوار عظیم لشکر کو تہس نہس

کر کے رکھ دیا تھا۔یمن کا بادشاہ ابرہہ مسیحی تھا۔اس نے خانہ کعبہ سے لوگوں کی توجہ ہٹانے کے لئے صنعاء میں ایک عالی شان گرجا تعمیر کرایا تھا۔لیکن جب اس کی شان وشوکت دیکھ کر بھی لوگ ادھر متوجہ نہیں ہوئے تو وہ خانہ کعبہ ہی کو مٹانے کے لئے چڑھ دوڑا۔ربِّ کعبہ نے نہ صرف اپنے گھر کی عظمت کو قائم رکھا بلکہ اس پر حملہ کرنے والوں کو معمولی ابابیلوں کے ذریعے برباد کرادیا۔خانہ کعبہ کی روحانی عظمت اور شان وشوکت کا یہ عالم ہے کہ سوائے فرض نماز باجماعت کی ادائیگی کے چند منٹوں کے، دن رات اس کے گرد عشّاق کا طواف جاری رہتا ہے۔نہ اس تسلسل میں کبھی کوئی تعطل پیدا ہوتا ہے اور نہ ہی عشّاق کی تعداد میں کمی ہوتی ہے۔سو دنیا کا کوئی بھی دوسرا مقدس مقام خانہ کعبہ کی اس فضیلت کا مقابلہ نہیں کرسکتا۔ہجومِ خلق کے لحاظ سے بھی اور فیوض و برکات کے لحاظ سے بھی صرف ارضِ حرم ہی ارضِ حرم ہے۔

وادئ محسّر، جبل الابابیل کے دامن میں ہے۔ یہ وہ جگہ ہے جہاں یمن کا بادشاہ ابرہہ اپنے ہاتھی سمیت ہلاک ہوگیا تھا اور اس کا سارا لشکر بھی برباد ہوگیا تھا۔اس جگہ کے بارے میں حضور اکرم ﷺ کا ارشاد ہے کہ یہاں خدا کا بہت بڑا عذاب نازل ہوا تھا اس لیے یہاں سے تیزی کے ساتھ گذر جانا چاہیے۔ چنانچہ ہمارے ٹیکسی ڈرائیور نے بھی ٹیکسی کی رفتار کو تیز کیا اور ہم جلد ہی اس وادی سے آگے نکل گئے....اس علاقہ میں ہم نے دور سے پیلے رنگ کا ایک چھوٹا سا ستون سا دیکھا۔ پتہ چلا یہ وہ مقام ہے جہاں حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حضرت اسماعیل علیہ السلام کو قربان کرنے کے لئے لٹایا تھا۔غالباً اسی جگہ مسجد الکبش ہے۔لیکن اُس طرف جانے کی اجازت نہیں تھی بلکہ اس طرف ہاتھ اٹھا کر اشارہ کرنے میں خطرہ تھا۔دراصل وہیں ساتھ ہی ایک شاہی محل بنالیا گیا ہے اس لئے عوام کا داخلہ اس علاقے میں بھی ممنوع ہوگیا ہے۔حفاظتی اقدامات کے طور پر بے حد طاقتور اور حسّاس کیمرے نصب کئے گئے ہیں یوں اُس طرف ہماری انگلی کا اشارہ بھی ہمیں مشکوک بنا سکتا تھا۔سو چُپ چاپ اس مقام سے آگے نکل گئے۔تھوڑا سا آگے جانے کے بعد مسجد خیف آگئی۔ یہ منیٰ کی بڑی مسجد ہے۔حج کے چار دنوں میں اسے کھولا جاتا ہے۔ایک معروف روایت کے مطابق یہاں ستّر ہزار پیغمبرانِ خدا مدفون ہیں۔میں نے اور مبارکہ نے یہاں

بھی مسجد کے بند دروازے کے آگے قبلہ رو ہو کر دو دو نفل شکرانے کے ادا کئے۔

یہاں سے نکل کر ہم سیدھے منیٰ پہنچے جہاں حج کے دنوں میں شیطان کو کنکر مارے جاتے ہیں۔ پتھر کے تین بڑے بڑے ستون تھوڑے تھوڑے فاصلے پر نصب تھے۔ سائز کے لحاظ سے بھی اور عقیدے کے لحاظ سے بھی ایک بڑا شیطان ہے۔ ایک درمیانہ۔ اور ایک چھوٹا.... درمیانے شیطان کی ان دنوں Repairing ہو رہی تھی...شیطان کی Repairing.... بے اختیار میرے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ پتھر تو صرف علامت ہیں، چاہے خیر کی قوّت کی علامت ہوں یا شر کی قوت کی...اصل خیر اور شر تو ہمارے اپنے اندر ہوتا ہے۔ شیطان بے چارہ تو مفت میں بدنام ہو گیا ہے۔ ہم جو بھی گناہ کر لیں اسی کے سر منڈھ کر خود بری الذمہ ہو جاتے ہیں۔ بس جی شیطان نے بہکا دیا تھا۔۔۔۔حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ ہم نے خود اپنے اندر کئی چھوٹے بڑے شیطان بنا رکھے ہیں۔ ان میں سے کوئی کبھی کمزور ہونے لگے تو ہم خود ہی اس کی Repairing کرنے لگ جاتے ہیں.... میں نے منیٰ میں بڑے شیطان کو دیکھتے ہوئے خیال ہی خیال میں اسے کنکریاں ماردیں اور خیال ہی خیال میں دیکھا کہ وہی کنکریاں پلٹ کر مجھے آن لگی ہیں۔ شیطان اس تماشے پر مسکرا رہا ہے اور میں سوچنے لگتا ہوں کہ ہم آج کے انسان۔ روایتی شیطان سے کتنا آگے نکل گئے ہیں۔ اگلے زمانوں میں کسی پر تکبر کا بھوت یا شیطان سوار ہوتا تو وہ براہ راست خدائی کا دعویٰ کر دیتا تھا لیکن آج کا متکبر انسان چالاک ہے کہ خدائی کا دعویٰ کرنے کی بجائے خدا کو اپنی مذموم نفسانی خواہشات کی تکمیل کے لئے ایک ذریعہ اور بہانہ بنا بیٹھا ہے۔ اپنی انسانی حالت میں ریاکاری کی عاجزی بھی دکھائی اور خدائی کے سارے اختیارات بھی سنبھال لئے۔ یہی تو وہ ذہانت ہے جو نہ فرعون اور نمرود جیسے لوگوں کو نصیب ہوئی نہ شیطان کو ہی سوجھ پائی۔

شیطان سے فارغ ہوئے تو ایک جگہ رُک کر مسجد الکوثر دیکھی۔ یہاں آنحضرت ﷺ پر سورۃ کوثر نازل ہوئی تھی۔ حضرت ابوذر غفاریؓ اور حضرت ابوایوب انصاریؓ نے یہیں اسلام قبول کیا تھا۔ یہاں بہت ہی چھوٹی سی مسجد ہے وہ بھی چھت کے بغیر....مسجد الکوثر سے ہم سیدھے جبل

نور کی طرف گئے۔ غار حرا اسی پہاڑ پر ہے۔ یہاں بھی چڑھائی کا معاملہ غار ثور جیسا تھا۔ جبل الرحمت کی طرح یہاں بھی سعودی حکومت نے ایک بورڈ لگا رکھا تھا کہ غارِ حرا صرف ایک تاریخی مقام ہے۔ اس کی کوئی مقدس اہمیت نہیں ہے۔ قرآن یا حدیث سے اس کا کوئی ثبوت نہیں ملتا و غیرہ وغیرہ۔ مطلب وہی ''موحدانہ'' تھا کہ شرک سے اجتناب کریں۔ جس غار میں آنحضرت ﷺ ایک لمبے عرصے تک عبادت و ریاضت میں مشغول رہے، جہاں قرآن پاک کی پہلی وحی نازل ہوئی۔ اگر وہ بھی مقدس مقام نہیں ہے تو پھر مقامات مقدّسہ کیا ہوتے ہیں؟ کیسے ہوتے ہیں؟....مفروضہ شرک سے بچنے کے لئے ہی غالباً ''موحد'' سعودی حکومت نے جبل نور کا علاقہ تعمیراتی مقاصد کے لئے فروخت کرنا شروع کر دیا تھا۔ اسی دوران عوام الناس تک تو خبریں نہیں پہنچیں لیکن بعض مسلمان حکومتوں نے اندر ہی اندر سعودی حکومت سے نیازمندانہ گذارش کر کے انہیں اس ''موحدانہ عمل'' سے روک لیا تھا۔ تاہم اس کے آس پاس جو تعمیرات ہو چکی تھیں وہ اب بھی موجود ہیں۔ خدا کا شکر ہے کہ غار حرا سلامت موجود ہے۔

غار حرا سے واپسی پر رستے میں بچوں کا ایک پارک دیکھا۔ یہ پارک اس مقام پر ہے جہاں حضرت عمر فاروقؓ نے عدل سے کام لیتے ہوئے اپنے بیٹے کو شرعی سزا دی تھی۔ بیٹا مقررہ کوڑے پورے ہونے سے پہلے ہلاک ہو گیا تو حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ اس کی لاش پر باقی کوڑوں کی گنتی مکمل کی جائے۔ یوں عدلِ عمر فاروقؓ کی ایک مثال قائم ہوئی۔ اس جگہ کو میدان العدل بھی کہتے ہیں۔ اب یہاں بچوں کا پارک بنا دیا گیا ہے۔ آخر میں حرم شریف کے قریب موجود مسجد الناقہ دیکھی۔ یہ وہ جگہ ہے جہاں فتح مکہ کے موقعہ پر آنحضرت ﷺ کی اونٹنی بیٹھی تھی اور حضور نے وہیں پڑاؤ کا حکم دے دیا تھا۔ یہیں ابوسفیان نے دس ہزار صحابہء کرام کو حضورؐ کی امامت میں نماز پڑھتے دیکھا تھا اور مبہوت رہ گیا تھا کہ جس یتیم اور بظاہر بے آسرا ہستی کو ہم نے مکہ سے ہجرت کرنے پر مجبور کر دیا تھا آج اس کی شان اتنی بڑھ گئی ہے کہ اس کے جھکنے پر دس ہزار افراد ایک ساتھ جھک جاتے ہیں اور اس کے اٹھنے پر ایک ساتھ اٹھ جاتے ہیں۔۔۔۔۔اور پھر حضرت ابوسفیان نے اسلام قبول کر لیا تھا۔

☆☆☆

چوتھا عمرہ

سوا نو بجے زیارات سے واپسی ہوئی تو جرمنی میں گھر پر فون کر کے بچوں کی خیریت معلوم کی۔ رضوانہ اپنے گھر (Fulda) سے آ چکی تھی اور سارے بچے خیریت سے تھے۔ پھر اپنے کمرے میں جا کر ''ناشتہ کم لنچ'' کیا اور سو گئے۔ گہری اور مزے کی نیند آئی۔ ظہر کی نماز کے لئے بروقت بیدار ہوئے۔ ظہر کی نماز کے لئے میں حرم شریف میں جس جگہ کھڑا ہوا تھا وہاں سے خانہ کعبہ دکھائی نہیں دیتا۔ شاید مسلسل دیدار کے بعد اب تھوڑا سا حجاب ضروری ہو گیا تھا۔ عصر کی نماز بھی اسی حجاب کے عالم میں ادا ہوئی۔ عصر کی نماز کے بعد پھر تھوڑی سی خریداری کی۔ یہ تھوڑی سی خریداری بھی اتنی زیادہ تھی کہ مجھے تشویش ہونے لگی ہم مدینہ منوّرہ بھی جا سکیں گے یا نہیں؟

مغرب کی نماز کے لئے ہم باب النبیؐ سے اندر آئے۔ پھر یاد نہیں دائیں مڑے یا بائیں۔ جس صف میں جگہ ملی وہاں سے میزاب الرحمت، حطیم، رکن عراقی، ملتزم، مقام ابراہیم اور حجر اسود۔۔۔ سارے نظارے دکھائی دے رہے تھے۔ صرف حطیم کا کچھ حصہ نظروں سے اوجھل ہو رہا تھا۔ میں نے اپنے بائیں طرف والے صاحب پر تھوڑا سا بوجھ ڈالا تو وہ تھوڑا سا پرے سرک گئے۔ مجھے تھوڑا سا بائیں جانب ہونے کے لئے جگہ مل گئی اور اب حطیم کا وہ حصہ بھی میرے سامنے تھا جسے میں نگاہوں میں رکھنا چاہتا تھا۔ مغرب کی نماز کی ادائیگی کے بعد میں اور مبارکہ پھر مسجد عائشہ کے لئے روانہ ہوئے۔ مکہ میں ہماری آمد سے پہلے ڈیڑھ دو ہفتے تک بارشیں ہوتی رہی تھیں۔ یہاں کی سڑکیں Heat Proof بنائی گئی ہیں تا کہ یہاں کی شدید گرمی

کے باعث سڑکیں خراب نہ ہوں لیکن مسلسل بارشوں نے سڑکوں کو نقصان پہنچایا ہے۔ یہاں اتنی زیادہ بارش شاید آدھی صدی کے بعد ہوئی تھی۔ ہم مسجد عائشہ جانے کے لئے حرم شریف سے باہر نکلے تو ہلکی ہلکی بارش شروع ہو چکی تھی۔ مسجد عائشہ پہنچ کر غسل کر کے، احرام باندھ کے، قریب کی ایک دوکان سے چھتری خریدی۔ پھر دو نفل پڑھے۔ نیت عمرہ کی اور تلبیہ پڑھتے ہوئے حرم شریف آئے۔ یہاں پہنچنے تک بارش رُک گئی تھی۔ حرم شریف کے باہر اور صحنِ کعبہ میں بارش کے پانی کو جذب کرنے کے لئے خود کار مشینیں کام کر رہی تھیں۔ دم بھر میں صحنِ کعبہ کا فرش چمک اٹھا۔ صفائی کا اتنا بروقت اور عمدہ انتظام دیکھ کر سعودی بادشاہوں کے لئے دل سے دعا نکلی۔ ان کے انتہا پسند ''موحدانہ'' عقائد اپنی جگہ.... ان کے بہت سارے شاہانہ معاملات اپنی جگہ... اور ان کے عالمی سیاسی کردار سے اختلاف کے باوجود ان کی خدمت کعبہ بلکہ خدمت حرمین شریفین کا اعتراف نہ کرنا کم ظرفی ہوگا۔ اللہ انہیں خدمت کی اس سعادت کے طفیل اپنی خامیاں دور کرنے کی توفیق بخش دے۔ نماز عشا ادا کی تو اس میں سعودی خاندان کے لئے یہی دعا کی.... میں بے تکُی مشرکانہ رسومات کو اچھا نہیں سمجھتا لیکن سخت دلی والا موحدانہ رویہ بھی کوئی صحت مند رویہ نہیں ہے۔ خدا کو براہ راست نہ ہم دیکھ سکتے ہیں، نہ جان سکتے ہیں، نہ سمجھ کر مان سکتے ہیں۔ خدا کے پیغمبروں کے وسیلے سے ہی اسے دیکھا ہے، جانا ہے اور مانا ہے۔ پیغمبروں کی عدم موجودگی میں ولیوں اور صوفیوں نے کسی حد تک وسیلے کا کام کیا ہے۔ ممکن ہے کوئی شخص اپنی روحانی طاقتوں کو بیدار اور متحرک کر کے کسی وسیلے کے بغیر بھی خدا سے تعلق قائم کر سکتا ہو لیکن اس کے لئے جس روحانی اور جسمانی ریاضت کی ضرورت ہوتی ہے وہ ہر شخص کے بس کی بات نہیں ہے۔ عامۃ الناس کو تو کسی نہ کسی وسیلے پر ہی انحصار کرنا پڑتا ہے۔ چاہے وہ ائمہ اربعہ میں سے کسی ایک کا ہو اور چاہے حضرت امام عبدالوہاب ہی کا وسیلہ کیوں نہ ہو۔

عشاء کی نماز کے بعد ہم نے طواف شروع کیا۔ آج کے عمرہ میں مبارکہ نے اپنے پانچوں بچوں کے لئے دعائیں کیں جبکہ میں نے اپنے تایا جی کی طرف سے عمرہ ادا کیا۔ تایا جی کو ہم سب بابا جی کہا کرتے تھے۔ ان کی اپنی کوئی اولاد نہیں تھی۔ انہوں نے ابا جی پر بھی احسانات کئے تھے اور

ہم پر بھی۔ ان کے نزدیک یہ احسانات.... احسانات نہیں تھے بلکہ صرف بھائی سے اور بھائی کی اولاد سے ان کی محبت تھی۔ باباجی سیدھے سادے مسلمان تھے انہیں کامل یقین تھا کہ مولا پاک انہیں اپنے پیارے حبیبؐ کے صدقے بخش دے گا۔ انہیں آنحضرتﷺ کے بارے میں بھی مکمل یقین تھا کہ وہ ضرور ان کی شفاعت فرمائیں گے۔ باباجی علم کے گورکھ دھندے سے بچے ہوئے تھے اسی لئے یقین کی دولت سے مالا مال تھے۔ میں جب ان کے یقین اور اپنے تذبذب کا موازنہ کرتا ہوں تو خود کو بہت ہی غریب اور جاہل محسوس کرتا ہوں۔

طوافِ کعبہ سے سعی تک عمرہ کے تمام مراحل طے کرنے کے بعد ہم نے حجرِ اسود کے سامنے اس کی سیدھ کو ظاہر کرنے والی پٹی پر کھڑے ہو کر نوافل ادا کئے۔ اس پٹی سے کھڑے ہو کر دیکھا تو سامنے حجرِ اسود، بائیں جانب رکن یمانی اور دائیں جانب سے ملتزم، مقام ابراہیم، رکن عراقی کے ساتھ حطیم کا ایک کونہ بھی اپنی جھلک دکھا رہا تھا۔ میں خانہ کعبہ کو زاویے اور سمتیں بدل بدل کر مختلف مناظر کے ساتھ دیکھ سکتا تھا لیکن ایک ہی وقت میں پورے کا پورا کعبہ مکمل طور پر نہیں دیکھ سکتا تھا۔ بقیہ حصہ دیکھنے کے لئے سامنے کی جگہ چھوڑ کر عقبی حصہ میں جانا ضروری ہو جاتا ہے گویا ہم کسی شے کو کسی ایک طرف سے پوری طرح، مکمل طور پر نہیں دیکھ سکتے۔ معمولی سا سکہ ہاتھ میں لے کر دیکھ لیں۔ ہاتھ میں ہونے کے باوجود ہم ایک وقت میں اس کا ایک رُخ ہی دیکھ سکیں گے اور جب دوسرا رُخ سامنے لائیں گے تو پہلا رُخ نظروں سے اوجھل ہو جائے گا۔ وحدت اور کثرت کا معاملہ بھی شاید کچھ ایسا ہی ہے۔ جب وحدت کا رُخ سامنے ہوتا ہے تو کثرت کا رُخ غائب ہوتا ہے اور جب کثرت کا رُخ سامنے ہوتا ہے تو وحدت کا رُخ غائب ہو جاتا ہے حالانکہ بظاہر دکھائی نہ دینے کے باوجود اس کے عقب میں ہی موجود ہوتا ہے۔ وحدت اور کثرت کے کھیل پر سوچتے ہوئے اپنے کمرے میں گئے۔ کھانا کھایا اور پھر وحدت و کثرت دونوں سے بے خبر ہو کر سو گئے۔

☆☆☆

پانچواں عمرہ

۵؍دسمبر کو صبح سویرے ہی آنکھ کھل گئی ہم دونوں تیار ہو کر تہجد کے وقت حرم شریف پہنچ گئے۔ میں نے رکن یمانی کی سیدھ میں، مطاف سے باہر دیوارِ کعبہ کے لئے ایک نیا زاویہ تلاش کیا۔ یہاں سے رکن یمانی کے علاوہ بائیں طرف سے حطیم کا ایک حصہ، رکن شامی اور دائیں طرف سے حجرِ اسود کے کونے کے ساتھ مقام ابراہیم کی نامکمل جھلک.... یہ مناظر میرے سامنے تھے۔ میں نے اندازہ کیا کہ اگر میں چھ سات صفیں اسی سیدھ میں پیچھے چلا جاتا تو مقام ابراہیم پوری طرح سامنے ہوتا اور حطیم بھی تھوڑا سا اور نمایاں ہو جاتا۔ رات وحدت اور کثرت کا جو خیال شدت کے ساتھ آیا تھا اب کچھ اور سمجھ میں آنے لگا تھا۔ فاصلے سے کثرت اور قربت سے وحدت آشکار ہوتی ہے:

کثرت کی زبانی ہیں
کعبہ کی دیواریں
وحدت کی نشانی ہیں

خانہ کعبہ کی چاروں دیواریں، ان سے منسلک تبرّکات، حتیٰ کہ خانہ کعبہ کی چھت اور بنیادیں بھی کثرت کی مظہر ہیں لیکن یہ کثرت ایک وحدت کی ترجمان ہے... خانہ کعبہ کی وحدت... مجھے یاد آیا ایک بار میں خانہ کعبہ کی ایک دیوار سے لپٹا ہوا تھا۔ اس قربت کو وصالِ محبوب جیسی سمجھ لیں تو یہ وحدت کا جلوہ تھا کہ اُس لمحے میں میری اپنی نفی ہو گئی تھی۔ میرے لئے دیوار کے اسی حصے

میں سارا کعبہ سمٹ آیا تھا اور میرا وجود رہا ہی نہیں تھا۔قربت کے نتیجہ میں یہ وحدت کا ایک نقشہ تھا۔ لیکن جیسے ہی میں دیوار سے الگ ہوا قربت کی جگہ فاصلہ ابھرا۔میرا وجود ظاہر ہوا،اور پھر کثرت ظاہر ہوتی گئی۔ میں اپنی دانست میں کعبہ سے لپٹا ہوا تھا لیکن وہ تو کعبہ کی صرف ایک طرف کی دیوار کا ایک چھوٹا سا حصہ تھا۔ پھر باقی تین دیواریں، حطیم، میزاب الرحمت، ملتزم، حجر اسود، رکن عراقی، رکن شامی، رکن یمانی، مطاف... گویا تھوڑے فاصلے سے کعبہ کے گرد چکر لگا کر دیکھیں تو جلووں کی کثرت ہی کثرت ہے۔لیکن یہ کثرت، وحدت کی علمبردار ہے ؂

تیری وحدت سے سمجھ پائے تجھے
اور کثرت میں نظارا کر لیا

نماز ظہر میں نے ''باب الفتح'' والے رستے کی قریب کی ایک صف میں ادا کی۔نماز عصر حرم شریف کے اندرونی حصہ میں ادا کی، نمازِ مغرب بھی اسی طرح ادا کی۔نماز مغرب کے بعد میں اور مبارکہ پھر مسجد عائشہ کی طرف عازمِ سفر ہوئے۔وہاں حسبِ معمول غسل کیا،نفل پڑھے،عمرہ کی نیت کی اور **لبيك اللهم لبيك**....کا ورد کرتے ہوئے حرم شریف واپس پہنچے۔ہمارے پہنچنے تک نماز عشاء کے لئے جماعت کھڑی ہو چکی تھی۔ہمیں حرم شریف کے باہر بے شمار لوگوں کی بنائی ہوئی صفوں میں جگہ ملی۔آخری رکعت میں شمولیت سے باجماعت نماز میں شرکت بھی ہوگئی۔فرض ادا کرنے کے بعد ہم نے سیدھا حطیم کا رخ کیا۔وہاں سنّتیں اور نوافل ادا کئے اور پھر طواف کعبہ سے عمرہ کا آغاز کیا۔ویسے تو عمرہ کی نیت کر کے تلبیہ کے ورد سے ہی عمرہ کا آغاز ہو جاتا ہے لیکن مجھے ہمیشہ ایسے لگتا رہا ہے کہ جب تک طواف شروع نہ ہو، عمرہ محسوس ہی نہیں ہوتا۔مبارکہ نے اس بار بہت سارے عزیز و اقارب کے لئے خصوصی دعاؤں کے طور پر یہ عمرہ کیا جبکہ میرا یہ عمرہ اپنے دادا جی کی طرف سے تھا۔

میرے پردادا حضرت میاں میر محمدؒ گڑھی اختیار خاں (خانپور) کے ایک اہم پیر تھے۔ ''آبائی پیشہ'' یہی سلسلہ تھا۔میرے دادا جی میاں اللہ رکھا اس لحاظ سے انقلابی آدمی تھے کہ انہوں نے معصوم اور بے خبر لوگوں کے سامنے روحانیت کا ڈھونگ رچا کر ان کے جذبوں کا استحصال

کرنے کی بجائے یہ سلسلہ ہی ترک کر دیا۔گڑھی کو چھوڑ کر خانپور چلے آئے۔ قیام پاکستان سے پہلے ہی دادا جی فوت ہو گئے تھے۔ میں نے ان کی تصویر بھی نہیں دیکھی۔لیکن میرے لہو میں اور میری سانسوں میں ان کی ایک تصویر ہے جو میری ہی طرح ہے...میں اپنے ننھالی رشتہ داروں میں بعض ایسے کزنز کو جانتا ہوں جنہیں اپنے دادا کی محبت اور شفقت ملی لیکن وہ اس بے بہا دولت کی قدر نہ کر سکے۔اپنے دادا جی سے میری محبت بے شک میرے اندر سے پھوٹی تھی لیکن اس کا بیج تو ابا جی نے بویا تھا۔ مجھے خوشی ہے کہ اپنے بزرگوں کی اس محبت کو میں اپنی اولاد کے اندر بھی اُگا سکا ہوں۔''اللہ کو اسی طرح یاد کرو جیسے اپنے باپ دادوں کو یاد کرتے ہو بلکہ اس سے بھی زیادہ''... پر جو لوگ اپنے باپ دادوں تک کو بھلا بیٹھے ہوں وہ اللہ کو بھی کیا یاد کریں گے...میں اللہ کو یاد کروں نہ کروں پر اپنے باپ دادوں کو ہمیشہ یاد رکھتا ہوں۔ بہر حال آج کا عمرہ اس لحاظ سے پُر لطف رہا کہ میں ایک طرف اپنے دادا جی کے لئے دعائیں کر رہا تھا تو دوسری طرف اپنی اولاد کے لئے دعائیں کرتے ہوئے خود دادا بن جانے کی تمنا کر رہا تھا...دادا بننے کی دعا نے مجھے جیسے جوان کر دیا تھا۔ مجھے لگتا ہے اندر ہی اندر مبارکہ پر بھی اس دعا کا اثر ہوا ہوگا کیونکہ ابھی تک ہر عمرہ کے بعد ہم ہمیشہ گرتے پڑتے اپنے کمرہ تک جایا کرتے تھے لیکن آج ہم دونوں ہی تازہ دَم تھے۔سو ہوٹل کی طرف جانے کی بجائے مارکیٹ کی طرف چلے گئے۔آج کی خریداری ملبوسات اور چھوٹے موٹے تحائف تک محدود رہی جس سے مجھے تھوڑا سا اطمینان ہوا۔دراصل پچھلے دو تین دن کی شاپنگ کے انداز سے میں گھبرا گیا تھا اور سوچنے لگا تھا کہ مردہ کے مقام پر قینچی لے کر نہ کھڑا ہونا پڑ جائے....آج کی شاپنگ پر خدا کا شکر اور مبارکہ کا شکریہ ادا کرتے ہوئے میں نے واپس چلنے کی بات کی اور پھر ہم اپنے کمرہ میں آ گئے۔کھانا کھایا اور پھر خود پر خدا کے بے شمار فضل و احسانات کا تذکرہ کرتے کرتے ہم نیند کی آغوش میں چلے گئے۔

☆☆☆

چھٹا عمرہ

۶ ردسمبر کا دن ہمارے لئے اس وجہ سے بے حد اہم تھا کہ یہ ارضِ حجاز پر ہمارا پہلا یوم الجمعہ تھا۔مبارکہ خواتین والے حصے میں چلی گئی۔ میں نے ''باب الملک'' کے سامنے والی دیوارِ کعبہ کے سائے میں نفل ادا کئے۔نماز فجر ادا کی۔اپنی معمول کی دعاؤں اور تسبیحات سے فارغ ہوکرسورۃ یاسین اور سورۃ صافّات پڑھیں اور پھر دعا کے لئے ہاتھ اٹھا کرایک دلی مراد مانگی۔آنحضرتﷺ کا یہ ارشاد گرامی میں نے ایک بار کہیں پڑھا تھا کہ جمعہ کے دن یہ دونوں سورتیں پڑھ کر خدا سے جو مراد مانگی جائے وہ عطا کردی جاتی ہے۔ میں تب سے مسلسل تجربہ کر رہا ہوں۔ایک وقت میں صرف ایک ہی مراد مانگی ہوتی ہے سو چھوٹا موٹا مسئلہ ہوتو ایک دو جمعوں میں ہی کام ہوجاتا ہے۔کام بے حد مشکل ہوتو پھر مسلسل ڈیڑھ دو ماہ تک یا اس سے بھی زیادہ عرصہ تک مذکورہ سورتیں پڑھ کر دلی مراد مانگی ہوتی ہے۔

میں نے اس تجربے کی برکت سے ایسے ایسے کام خدا سے کرائے ہیں جو صرف مشکل ہی نہیں بلکہ ناممکن قسم کے تھے۔ہاں کبھی کبھار یوں بھی ہوا کہ کوئی خواہش ہمیں اپنے حق میں اچھی لگی....جب وہ مراد پوری نہیں ہوئی تو اس کا وہ پہلو واضح ہوکر سامنے آ گیا کہ اس کا پورا ہونا ہمارے لئے خوشی کی بجائے دکھ اور اذّیت کا موجب بن جاتا۔ یوں ایسی دعا کا قبول نہ ہونا خود ہمارے لئے بہتری کا موجب بنا ہے۔سواس قسم کی چند مستثنیات کو چھوڑ کران سورتوں کو پڑھنے کے بعد کوئی ایک مراد مانگنے سے مجھے ہمیشہ دلی مراد ملی ہے۔میرا دعا کا یہ سلسلہ آج بھی جاری ہے۔

نمازاور دعا کے بعد میں اورمبارکہ ''باب الندوہ'' سے باہر آئے۔پھر وہیں بیرونی رستے سے اوپر کی منزل پر جانے والی سیڑھیوں سے اوپر چلے گئے۔ وہاں میں نے ''باب الندوہ'' کی سیدھ میں آگے تک جا کر خانہ کعبہ کی طرف دیکھا تو ایک بالکل نیا منظر میرے سامنے تھا۔زائرین میں شامل ہوکر طواف کرنے کے منظر،اورکسی زاویے سے کعبے کے سامنے بیٹھ کر دیدار کرنے کے منظر سے بالکل مختلف....اب کعبہ بھی میرے سامنے تھا اور کعبہ کے گرد مستانہ وار رقص کرتے ہوئے پروانے بھی میرے سامنے تھے۔عجیب روح پرور اور دل کش نظارا تھا۔مختلف اطراف میں بیٹھ کر کعبہ کو اب تک سامنے سے جتنا زیادہ سے زیادہ دیکھ چکا تھا،ان ابعاد میں اب ایک نئے بُعد کا اضافہ ہوگیا تھا۔جیسے خلا کے تین ابعاد میں وقت چوتھے بُعد کے طور پر دریافت ہوا ہے۔اب کعبہ کے رکن یمانی کو چھوڑ کر باقی سارے منظر بھی میرے سامنے تھے اور کعبہ کی چھت بھی میرے سامنے تھی۔میں اوپر کی منزل پر کھڑا ہونے کے باعث کعبہ کی چھت سے زیادہ اونچائی پر تھا۔ہلکا سا احساس ہوا کہ کہیں یہ بے ادبی نہ ہو....پھر مجھے اپنے بچپن کے وہ منظر یاد آئے جب اباجی میری ننھی منی بغلوں میں ہاتھ ڈال کر مجھے پیار سے اونچا اٹھا لیتے تھے۔تب میں اباجی سے اتنا چھوٹا ہونے کے باوجود ان سے اونچا ہوجاتا تھا۔پر رہتا تو اُنہیں کے ہاتھوں میں تھا۔ساتھ ہی قرآن شریف کی اس آیت کو یاد کرلیا کہ خدا کو اس طرح یاد کرو جیسے اپنے باپ دادوں کو یاد کرتے ہو....سو بے ادبی کا احساس کم ہونے لگا۔پھر میں نے نیچے طواف کرنے والوں کے ساتھ اوپر کی منزل پر ہی دائیں طرف سے پورا لمبا چکر کاٹنا چاہا۔مبارکہ میرے ارادے سے گھبرا گئی کہ اس کے لئے اتنا لمبا چکر کاٹنا دشوار تھا۔میں نے اسے تسلی دی کہ آپ یہیں بیٹھ کر اللہ اللہ کریں،میں اکیلا ہی یہ چکر لگا کر آتا ہوں۔چنانچہ میں نے اکیلے حرم شریف کی بالائی منزل سے کعبہ کے چاروں طرف کا چکر مکمل کیا۔یہ چکر طوافِ کعبہ کے سات چکروں کے برابر محسوس ہوا۔فاصلہ زیادہ اور عام رفتار ہونے کے باعث میں نے دیکھا کہ مناظر میں تبدیلی ہونے کا احساس ہی نہیں ہوتا تھا۔بس آہستہ آہستہ اوجھل ہوتے منظر میں نیا منظر ابھرتا چلا آتا تھا جب بالکل دوسرے زاویے پر پہنچا تب پتہ چلتا کہ منظر میں کوئی تبدیلی آ گئی ہے...نیچے کو وہ صفا اور مروہ تک سعی کے لئے حصہ مخصوص ہے

اسی کے اوپر سعی کے لئے دوہری منزل بنادی گئی ہے تا کہ حج کے دنوں میں رش کے باعث حجاج کرام وہاں سے بھی سعی کرسکیں۔ یہ ایک اچھی سہولت لگی۔صفا کی پہاڑی کا تھوڑا سا حصہ زائرین کے لئے ہے۔باقی حصے پر شاہی محلّات بن گئے ہیں۔یہ محلّات حرم شریف کے ساتھ ہی ہیں لیکن اس سے کافی بلند وبالا ہیں۔ مجھے بعض محتاط قسم کے لوگوں سے معلوم ہوا کہ سعودی حکمران اور شہزادے اپنے محلوں ہی میں نماز با جماعت ادا کرتے ہیں۔کچھ عرصہ پہلے میں نے پاکستان میں بھی کہیں یہ خبر پڑھی تھی کہ منسلکہ شاہی محلوں کے بارے میں فتویٰ حاصل کیا گیا ہے کہ یہ بھی حرم شریف کا حصہ ہیں۔یوں سعودی خاندان گھر بیٹھے نماز با جماعت میں شرکت کر لیتا ہے۔اگر واقعتاً ایسا ہے تو بے حد افسوسناک ہے۔حرم شریف کے وضوخانے اور باتھ روم بھی حدودِ حرم سے باہر ہیں لیکن اگر شاہی محلات کو حدودِ حرم میں شامل ماننے کا فتویٰ حاصل کیا گیا ہے تو اس کا مطلب ہے شاہی خاندان کے بیڈروم، باتھ روم بھی حدودِ حرم میں شامل ہیں۔خدا کرے اس سلسلے میں کوئی احتیاطی تدبیر ضرر کر لی گئی ہو۔ایسا ہے یا نہیں ہے؟ اس سلسلے میں صحیح صورتحال واضح ہونی چاہئے....سعودی عرب میں ہر دلعزیز شاہی خاندان کو اپنے عوام سے اتنا بھی نہیں گھبرانا چاہیے کہ حرم شریف میں آ کر نماز با جماعت بھی نہ پڑھ سکیں اور اپنی سیاسی ضرورتوں کے چکر میں حرم شریف کے تقدّس کو مجروح کرنے لگیں۔فتویٰ فروشوں کا کیا ہے وہ تو بلا امتیاز ہر فرقہ میں ہر وقت دستیاب ہیں جس طرح کا چاہیں دل پسند فتویٰ مانگ لیں، من پسند استخارہ کرا لیں، حسبِ منشا خدمات حاضر ہیں۔

خانہ کعبہ کے بالائی نظارہ کے بعد ہم لوگ اپنے کمرہ میں گئے۔وہاں ناشتہ کیا۔تھوڑی سی نیند کی۔بیدار ہو کر جمعہ نماز پر جانے کی تیاری کرنے لگے۔جیسے ہی ہم تیار ہوئے پہلی اذان ہونے لگی۔ہم اطمینان سے حرم شریف کی طرف روانہ ہوئے۔خیال تھا کہ کسی نئے زاویے سے بیٹھ کر دیدارِ کعبہ کروں گا اور جمعہ نماز ادا کروں گا لیکن یہاں تو انسانوں کا غیر معمولی سیلاب آیا ہوا تھا۔نچلی منزل میں تو جگہ ملنے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا تھا۔مجبوراً دوسری منزل پر گئے مگر یہاں بھی نمازیوں کا ہجوم دیدنی تھا۔بس جہاں جگہ ملی بیٹھ گئے اور اسی کو اپنے لئے اعزاز جانا۔نماز جمعہ کے

بعد سیڑھیوں سے اترتے ہوئے بھی دیکھا اور پھر باہر آ کر سڑک کی طرف بنے اونچے فٹ پاتھ سے بھی نظر دوڑائی....حد نگاہ تک نمازیوں کا ٹھاٹھیں مارتا ہوں دریا تھا۔جس طرف دیکھیں نمازی ہی نمازی.... یہ جمعہ کے دن کا حال تھا۔ عام جمعہ......تو پھر جمعۃ الوداع اور عید پر کیا حال ہوتا ہوگا۔میں اندازہ نہیں کرسکتا۔حج کے دنوں کا تو خیر معاملہ ہی الگ ہے۔اپنے کمرے میں آ کر ہم نے دوپہر کا کھانا کھایا۔مبارکہ نے تھوڑا سا آرام کیا۔آج ہم نے بعد نماز عشاء عمرہ کرنا ہے اور کل ہمارا مدینہ منوّرہ جانے کا پروگرام ہے۔ بیٹھے بیٹھے مجھے ایک بھولی بسری نعت کے بول یاد آنے لگے اور میں غیر ارادی طور پر انہیں گنگنانے لگا۔یہ نعت غالباً شمشاد بیگم کی آواز میں تھی:

پیغام صبا لائی ہے گلزارِ نبیؐ سے
آیا ہے بلاوا مجھے دربارِ نبیؐ سے

نمازِ عصر کے لئے ہم ''باب العمرہ'' سے گذر کر حرم شریف میں داخل ہوئے۔نماز مغرب کے لئے ''باب الملک فہد'' سے گذر کر اندر گئے۔اسی سیدھ میں مطاف سے باہر کعبہ کے سامنے جا کر نماز کے لئے جگہ حاصل کی۔نماز سے پہلے میں نے سوچا کے خانہ کعبہ کی اس سامنے کی دیوار، دائیں جانب رکن یمانی، اور بائیں جانب حطیم اور میزاب الرحمت کو پہلے صاف اور واضح طور پر بھی دیکھ چکا ہوں اور اسی ''باب الملک فہد'' کی سیدھ میں بالکل پیچھے، حرم شریف کے اندر کعبہ سے اوجھل ہو کر بھی بیٹھ چکا ہوں۔ گویا حجاب اور بے حجابی کے دونوں مرحلے طے کر چکا ہوں۔ اب کوئی اور مرحلۂ شوق ہونا چاہیے۔سو میں نے اپنی ۳.۲۵ نمبر کی (دور کی نظر کی) عینک اتار دی اور سامنے دیکھنے لگا۔وہاں سارے مقامات وہی تھے لیکن اب ان میں ہلکی سی دھندلاہٹ کے باعث حجاب اور بے حجابی کے درمیان کی کوئی صورت بن گئی تھی۔اردگرد لگی ہوئی تیز روشنیوں کی روشنی تھوڑی سی مدھم لگنے لگی تھی اور ان کے ہالے نسبتاً بڑے ہو گئے تھے۔ دیدارِ کعبہ کا ایک اور زاویہ مجھے نصیب ہو گیا تھا۔ ذاتی طور پر میرے لئے یہ ایک انوکھا تجربہ تھا۔میں اس وقت تک اس تجربے سے سرور حاصل کرتا رہا جب تک نماز مغرب کے لئے جماعت کھڑی نہ ہوگئی۔نماز مغرب کے بعد ہم پھر مسجدِ عائشہ کی طرف گامزن تھے۔حسبِ معمول غسل کیا،

نیت عمرہ کی، اطمینان سے بس پکڑی اور **لبیك اللھم لبیك**...کا ورد کرتے ہوئے حرم شریف کی جانب روانہ ہوئے۔بس اطمینان سے اس لیے پکڑی کہ مغرب اور عشاء کی نمازوں کا درمیانی وقفہ کم ہوتا جا رہا ہے۔

کل بھی ہم تقریباً بھاگ کر آخری رکعت حاصل کر سکے تھے۔اطمینان سے آنے کے نتیجہ میں ہمارے حرم شریف پہنچنے تک نمازِ عشاء ہو چکی تھی۔ہم اپنے ہوٹل کے قریب والے بس اسٹاپ کی بجائے بس اڈے پر جا کر اترے۔وہاں سے حرم شریف کے مین گیٹ سے داخل ہوئے تو ہمارے سامنے تین دروازے تھے۔''باب النبیؐ''۔''باب العباسؓ ''اور''باب علیؑ''۔پہلے دو دروازوں سے ہم پہلے بھی داخل ہو چکے تھے اس لیے میں نے چاہا کہ اس بار''باب علیؑ''سے اندر جائیں لیکن ''باب علی'' بند کیا جا چکا تھا (رات کو بعض دروازے بند کر دیئے جاتے ہیں)۔اس کے ساتھ دائیں طرف ''باب العباس'' کھلا ہوا تھا، وہیں سے اندر داخل ہو کر میں ''باب علی'' کی سیدھ میں آ گیا۔ عین اسی سیدھ میں زم زم کے کنوئیں کے سامنے حرم شریف کی پہلی صف میں جگہ کا انتخاب کیا لیکن یہ کیا؟ دائیں طرف حطیم، میزاب الرحمت، رکن عراقی، سامنے مقام ابراہیم، ملتزم، حجر اسود کا کونہ اور رکن یمانی والا کونہ....اتنے سارے منظر ایک ہی جگہ بیٹھنے سے دکھائی دے رہے تھے۔صرف یہی نہیں، آب زم زم کا کنواں بھی بالکل میرے سامنے تھا.....مجھے حدیث شریف یاد آ گئی:''میں علم کا شہر ہوں اور علی اس کا دروازہ ہے''....کثرتِ نظارا اور فراوانیٔ شوق.....حیدرِ بے قرار نے پورے زور کے ساتھ حیدرِ کرار کے نام کا نعرہ لگایا...نعرۂ حیدری: یا علی!.....یہ نعرۂ مستانہ میں نے من ہی من میں لگایا تھا اور اس کی گونج بھی میرے دل ہی میں دیر تک ارتعاش پیدا کرتی رہی۔

لطف آ گیا جینے میں
نورِ مناظر کا
جب بھر گیا سینے میں

مبارکہ نے میرے ساتھ کھڑے ہو کر نماز عشاء ادا کی۔دراصل نماز با جماعت کے وقت خواتین کو الگ حصے میں بھیج دیا جاتا ہے۔باقی وقت میں زیادہ پابندی نہیں لگائی جاتی۔مبارکہ عشاء

کی نماز پڑھ کر تسبیح و تحمید میں مشغول تھی۔میں جب نماز سے فارغ ہوا تو اس کے تسبیح کرتے ہونٹوں کے باوجود اس کے چہرے سے اکتاہٹ اور بیزاری کو صاف دیکھ رہا تھا۔مجھے اندازہ ہو گیا کہ مجھے نماز پڑھنے میں زیادہ دیر لگ گئی ہے۔لیکن میں اسے کیا بتاتا کہ میں کس موج میں آیا ہوا تھا۔بس اسے مختصراً سامنے کے سارے مناظر کی نشاندہی کر دی۔پتہ نہیں اسے بات پوری طرح سمجھ میں آئی بھی یا نہیں....نماز پڑھنے کے بعد ہم نے طواف کعبہ کا آغاز کیا۔یہ عمرہ مبارکہ نے اپنے پانچوں بچوں کی زندگیوں اور زندگی کی خوشیوں کی دعاؤں کے لئے مخصوص رکھا جبکہ میرا عمرہ اپنی دادی اماں ''صاحب خاتوں'' کی طرف سے تھا۔میری دادی اماں تب فوت ہو گئی تھیں جب ابا جی کی عمر چھ سال کے لگ بھگ تھی۔ابا جی رحیم یار خاں میں قیام کے عرصہ میں ہر سال محرّم کی دس تاریخ کو ہم سب کو قبرستان لے جاتے۔وہاں دادی جان کی قبر پر دعا کرتے۔جب ہم خانپور آ گئے تب سے ابا جی کا جب بھی کسی کام سے رحیم یار خاں جانا ہوتا وہ دادی جان کی قبر پر دعا کرنے کے لئے ضرور جاتے۔مجھے یاد ہے ایک بار ابا جی رحیم یار خاں سے واپس آئے تو بے حد اداس لگے۔بتانے لگے قبرستان بہت پھیل گیا ہے۔تلاش کے باوجود اماں کی قبر نہیں ملی پھر قبرستان کے گیٹ پر ہی دعا کر کے آ گیا ہوں۔قبر کیا کھوئی تھی ایسے لگا تھا جیسے دادی جان ابھی ابھی فوت ہوگئی ہیں۔یہ قبروں کا بھی عجیب سا جادو ہوتا ہے۔مٹی کا جادو....شاید دھرتی ماں کی کشش ہوتی ہے:

یہ ساری روشنی حیدؔر ہے ماں کے چہرے کی
کہاں ہے شمس و قمر میں جو نور خاک میں ہے

طواف کعبہ کے بعد ہم سعی کے لئے کوہ صفا سے مروہ کی طرف روانہ ہوئے۔صفا سے مروہ کی طرف جاتے ہوئے سبز ستونوں والی ایک مخصوص جگہ آتی ہے۔اسے اخضر میلین کہتے ہیں۔اس حصے میں مردوں کو جھپٹتے ہوئے تیز تیز چلنے کا حکم ہے لیکن عورتیں صرف اپنی عام رفتار سے ہی گذرتی ہیں۔پہلے تو مجھے خیال آیا کہ یہاں بے قراری سے تو ایک عورت (حضرت بی بی ہاجرہ) دوڑتی پھر رہی تھی جس کی یاد میں ہم سب سعی کرتے ہیں لیکن اب ہم نے عورتوں کے دوڑنے پر پابندی لگا کر خود دوڑنے کی اجازت لے لی ہے۔لیکن پھر خیال آیا کہ حضرت بی بی ہاجرہ نے جس

بے قراری سے بھاگ دوڑ کی تھی اس سے تو ساری دنیا کی عورتوں کا حصہ بھی انہوں نے پورا کر دیا تھا۔شاید اسی لئے اب عورتوں کو اس معاملے میں رعائت ملی ہے۔اخضر میلین والے حصہ سے گذرتے ہوئے جو دعائیں کی جائیں ان کے بارے میں روایت ہے کہ خصوصی طور پر قبول کی جاتی ہیں۔

۷؍دسمبر کو ہمیں مدینہ منورہ جانا تھا۔تہجد کی اذان کے ساتھ ہی میں نے بستر چھوڑ دیا۔ باتھ روم سے فراغت کے بعد مبارکہ کو جگایا اس نے تیاری کر لی تو ہم حرم شریف کی طرف روانہ ہوئے۔میں نے آج حجرِ اسود کے سامنے نماز پڑھنے کے لئے جگہ بنا لی۔یوں تو دن رات کسی وقفے کے بغیر خانہ کعبہ کے طواف کا سلسلہ جاری رہتا ہے اور سب سے زیادہ ہجوم حجرِ اسود کے سامنے ہوتا ہے لیکن نماز با جماعت کے وقت طواف رُک جاتا ہے۔سو اس مختصر سے وقفہ کے دوران یہاں سے حجر اسود کی زیارت زیادہ صاف طور سے کرنا ممکن تھا۔میں حجر اسود سے نویں نمبر کی صف میں شامل تھا۔طواف رُک گیا تھا لیکن اگلی صفوں میں ابھی بعض لوگ سنتیں ادا کر رہے تھے اور کسی نہ کسی کے قیام و رکوع کے باعث دیدار میں روک بن جاتی تھی۔آخر یہ روک بھی دور ہوئی اور تھوڑی دیر کے لئے حجر اسود کا جتنا حصہ ظاہر اور باہر تھا سب میری آنکھوں کے سامنے تھا۔باہر سے کوئی سفید اور مضبوط سی دھات اس پر منڈھ دی گئی تھی۔دھات کے اندر بہت بڑے سائز کے کٹورے جیسا حجر اسود دکھائی دے رہا تھا جیسے زنجبیل کا کٹورا ہو...جنتیوں کو زنجبیل کے کٹوروں میں پاک شراب عطا کی جائے گی....زنجبیل کا بڑا سا کٹورہ میرے سامنے تھا...بیئر زم زم سے بھرے خوبصورت کولر میرے آس پاس تھے اور بیئر زم زم کا سرچشمہ میرے نیچے تہہ خانے میں تھا....پل بھر کے لئے میں نے حجر اسود کے منظر سے اپنی آنکھیں روشن اور دل کو مالا مال کر لیا تھا....اس طرف بیٹھنے سے یہ بھی دیکھا کہ امام کعبہ....مقام ابراہیم سے تھوڑا پیچھے ہٹ کر نماز کی امامت کراتے ہیں۔میرے دائیں طرف ۱۵،۲۰ میٹر کے فاصلے پر وہ بیٹھے ہوئے تھے۔میری صف ان کی صف سے کافی آگے تھی۔ لیکن یہاں پہنچ کر تو ساری سمتیں ہی بے معنی ہو جاتی ہیں۔دائیں،بائیں،آگے،پیچھے...مشرق، مغرب،شمال،جنوب سب بے معنی...بس جدھر دیکھتا ہوں اُدھر تُو ہی تُو ہے۔جیسے ہی نماز ختم

ہوئی۔طواف کرنے والے دیوانہ وار اٹھے اور حجر اسود پھر اپنے پروانوں کی اوٹ میں چلا گیا۔بس کبھی کبھی اسکی لَو ہلکی سی جھلک دکھا دیتی تھی۔جہاں تک ممکن تھا شوقِ زیارت نے زاویے بدل بدل کر دیدارِ کعبہ کر لیا تھا۔**کل یوم هو فی شان** کا نظارا کر لیا تھا۔

☆☆☆

دیارِ نبی مدینہ منورہ

(مسجد نبوی، روضۂ رسولؐ اور جنت البقیع)

اور اب اپنے کعبہ کے کعبہ کا دیدار کرنے کا ارادہ ہے۔ دربارِ نبیؐ کو میں نے کعبہ کا کعبہ غلط نہیں لکھا۔ مولانا احمد رضا خاں بریلوی نے اپنی ایک نعت میں کیا خوب کہا ہے:

ہم سب کا قبلہ سُوئے کعبہ، سُوئے محمدؐ روئے کعبہ
کعبے کا کعبہ روئے محمدؐ صلی اللہ علیہ وسلم

یہ شعر مبالغہ آمیز نہیں بلکہ ایک زندہ حقیقت ہے.... یہاں مجھے فتح مکہ کے موقعہ پر ہونے والا ایک ایمان افروز واقعہ یاد آ گیا ہے۔ حضرت بلالؓ اذان دینے کے لئے خانہ کعبہ کی چھت پر چڑھ گئے اور وہاں سے آنحضرت ﷺ سے استفسار کرنے لگے کہ ویسے تو کعبہ کی طرف منہ کر کے اذان دی جاتی ہے لیکن میں تو کعبہ کی چھت پر ہوں۔ اب کس طرف منہ کر کے اذان دوں؟ آنحضور ﷺ نے ارشاد فرمایا میری طرف منہ کر کے اذان دو۔ چنانچہ حضرت بلالؓ نے حضور اکرم ﷺ کے روئے انور کی طرف منہ کر کے اذان دی۔

حقیقت یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ ذاتِ خداوندی کا مظہر تھے۔ خدا کو ہم اس دنیا میں اپنی آنکھوں سے نہیں دیکھ سکتے۔ لباس نبوّت کے ذریعے اسے جانا جا سکتا ہے۔ یہ مشرکانہ بات نہیں ہے خود قرآن میں متعدد مقامات پر خدا اور رسول میں یگانگت کو واضح کیا گیا ہے مثلاً:

۱۔ اے رسول جو کنکریاں تو نے ماریں، وہ تو نے نہیں ماریں بلکہ

خدا نے ماریں۔

(سورۃ انفال)

۲۔ جن لوگوں نے تمہارے ہاتھ پر بیعت کی انہوں نے اللہ کے ہاتھ پر بیعت کی۔ وہ تمہارا ہاتھ نہیں تھا بلکہ اللہ کا ہاتھ تھا۔ **(سورۃ فتح)**

غالباً اسی آیت کو مدنظر رکھ کر علامہ اقبال نے کہا تھا: ہاتھ ہے اللہ کا بندۂ مومن کا ہاتھ

اسے محض محاورۃً اور مجازاً کہہ کر جان نہیں چھڑائی جا سکتی۔ ایک اور واقعہ بھی یاد آ گیا۔ عرب بدّو جو نئے نئے مسلمان ہوئے تھے اور حضور ﷺ کے مقام و مرتبہ کا انہیں ٹھیک سے علم نہ تھا۔ حضورؐ کے ساتھ چلتے ہوئے یہ بدّو لوگ حضورؐ کو اپنے بھائی جیسا سمجھتے ہوئے ادب کو ملحوظ نہیں رکھتے تھے بلکہ حضورؐ کے آگے آگے بھی ہو جایا کرتے تھے۔ تب سورۃ الحجرات کی وہ آیات نازل ہوئیں جن میں **''لاتقدموبین یدی الله و رسوله''** کا حکم بھی شامل ہے یعنی مومنو! اللہ اور رسول کے آگے آگے مت چلا کرو.... سو رسول کے آگے چلنا، خدا کے آگے چلنا بھی ہے۔ رسول کو دکھ دینے والے خدا کو دکھ دیتے ہیں حالانکہ خدا تو دکھ کے احساس ہی سے بے نیاز ہے۔ سو یہ اور ایسی دیگر آیات رسول کے بشری اور الوہی دونوں پہلوؤں کو واضح کرتی ہیں اور اس میں کوئی شرک بھی نہیں ہے۔ اس سے بھی آگے چلیں..... دن میں پانچ وقت کی نمازیں فرض ہیں۔ نیت نماز کے وقت اپنی تمام توجہ خدائے واحد کی طرف مبذول کرنے کے ساتھ شرک سے اپنی بیزاری کا اظہار کیا جاتا ہے۔ پھر ہر دو رکعت کے بعد بھی اور نماز کی آخری رکعت میں بھی التحیات پڑھی جاتی ہے اور اسی التحیات میں یہ الفاظ بھی آتے ہیں **'السلام علیك ایها النبی و رحمة الله و برکاته '**.... یا نبی! آپ پر سلامتی ہو اور اللہ کی رحمتیں اور برکتیں ہوں.... یہ بالکل خطابیہ الفاظ ہیں۔ براہ راست خطاب.... سوچنے والی بات ہے کہ جس نماز کی نیت کے وقت ہم پوری توجہ خدائے واحد کی طرف مرکوز کر کے ہر شرک سے اپنی بریت کا اقرار کرتے ہیں، اسی نماز میں خدا کے رسول سے براہ راست بات کیوں کرنے لگتے ہیں؟..... اور کیا ہمارے کٹر قسم کے موحدین کو ان الفاظ کی ادائیگی کرتے وقت کبھی شرک کا احساس ہوا ہے یا نہیں؟

اصل شرک تو کچھ اور ہے جس میں بڑے بڑے موحدین بھی ملوث ہیں۔ نص صریح سے ظاہر ہے کہ سب سے بڑا شرک فرقہ بازی ہے۔

۱۔ مشرکوں میں سے مت بنو یعنی ان مشرک لوگوں میں سے جنہوں نے اپنے دین کو پراگندہ کر دیا اور دین کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے مختلف فرقوں میں بٹ گئے اور ہر فرقہ اس خیال سے خوش ہے کہ جو ٹکڑا ہم نے لیا ہے وہی بہتر ہے **(سورۃ روم)**

۲۔ جن لوگوں نے اپنے دین کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا اور گروہ در گروہ ہو گئے (اے رسول!) تیرا ان سے کچھ تعلق نہیں ہے **(سورۃ انعام)**

احادیث کے سلسلے میں میرا ان لوگوں سے مکمل اتفاق ہے جو یہ کہتے ہیں کہ اگر کوئی مستند حدیث بھی نص صریح سے ٹکرائے تو اسے رد کر دیا جائے اور اگر کوئی ضعیف حدیث بھی قرآن سے مطابقت رکھتی ہے تو اسے قبول کر لیا جائے....لیکن یہی بات کہنے والے جب مذکورہ نصوصِ صریحہ کے ہوتے ہوئے فرقہ ناجی والی حدیث سے خود کو سچا فرقہ بتانے لگتے ہیں تو حیرت ہونے لگتی ہے۔ بعض کاری گر قسم کے فرقوں نے اپنے سابقوں اور لاحقوں سے فرقہ کا لفظ ہٹا کر کوئی اور متبادل لفظ لگا لیا ہے اور اسی بنیاد پر خود کو گروہوں میں شمار نہیں کرتے۔ ایسی خوش فہمی پر اب کیا کہا جائے....شرک کے مسئلے پر یہ بات خاصی طویل ہو گئی ہے جبکہ مجھے یہاں بعض ''موحدین'' کے کٹر پن پر صرف اتنا بتانا تھا کہ سب سے بڑا شرک از روئے قرآن فرقہ بازی ہے اور سارے ''موحد'' فرقے بھی اس شرک میں مبتلا ہیں۔

الصلوٰة والسلام عليك يا رسول الله
والصلوٰة والسلام عليك يا حبيب الله

گیارہ بجے کے قریب ہم مدینہ منوّرہ کے لئے روانہ ہوئے۔ بس کی سروس اچھی تھی۔ راستے میں نماز اور کھانے کے لئے پڑاؤ کیا گیا۔ ۵ بجے سے پہلے ہم مدینہ شریف پہنچ گئے۔ پہلے ایک کمرہ کرائے پر حاصل کیا۔ وہاں سامان رکھ کر تازہ دم ہوئے پھر نماز مغرب کے لئے مسجد نبویؐ کی طرف روانہ ہوئے۔ جاتے ہوئے ہم دونوں مسلسل درود شریف پڑھتے رہے۔ مسجد نبویؐ میں

خواتین کا حصہ الگ ہے، مبارکہ اس طرف چلی گئی اور میں مردانہ حصے کی طرف آ گیا۔ میرے اندر داخل ہوتے ہی مغرب کی جماعت کھڑی ہو گئی۔ سو قریبی صف ہی میں کھڑے ہو کر نماز شروع کر دی۔ نماز کے بعد میں نے قبلہ رُخ آگے بڑھنا شروع کر دیا۔ سیدھا ریاض الجنۃ تک جا پہنچا۔ ریاض الجنۃ مسجد نبوی کا وہ حصہ ہے جو آنحضرتؐ کے حجرہ مبارک سے منبر شریف تک کا حصہ ہے۔ حضورؐ نے اس حصہ کو جنت کے ٹکڑوں میں سے ایک ٹکڑا قرار دیا ہے جس سے اس حصہ زمین کی فضیلت کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ میں نے ریاض الجنۃ میں پہلے منبر رسولؐ کی طرف دیکھا۔ اس جگہ اب امام مسجد نبوی نماز کی امامت کراتے ہیں۔ یہاں قد آدم سے تھوڑی سی زیادہ اونچائی پر چھت ڈال دی گئی ہے۔ امام صاحب چھت پر امامت کرتے ہیں اور نیچے عاشقانِ رسولؐ نماز پڑھتے ہیں۔ ریاض الجنۃ کے سارے حصہ میں سبز قالین بچھا کر اس کی نشاندہی کر دی گئی ہے۔ میں ریاض الجنۃ میں پہلے منبر رسولؐ کے نیچے نفل پڑھنا چاہتا تھا مگر وہاں ساری سیٹیں بُک تھیں۔ وہاں سے تھوڑا آگے بڑھا تو وہ جگہ آ گئی جہاں حضور ﷺ نماز پڑھایا کرتے تھے۔ ایک محراب میں **''محراب النبی صلی الله علیه وسلم''** کے الفاظ لکھے تھے اور اس کے دائیں ستون پر **هذا مصلى رسول الله** ﷺ تحریر تھا۔ دونوں جگہوں پر نوافل پڑھنے والوں کا اور باری کا انتظار کرنے والوں کا ہجوم تھا۔ میں نے پہلے تو لائن میں لگ کر باری آنے پر نفل پڑھنے کا ارادہ کیا لیکن جب دیکھا کہ لائن والے دھکم پیل میں پیچھے ہوتے جا رہے ہیں تو پھر یہاں بھی حجر اسود تک پہنچنے والا فارمولا استعمال کیا اور آنحضرت ﷺ کے مقامِ صلوٰت تک رسائی حاصل کر لی۔ یہ جگہ اس طرح بنائی گئی ہے کہ ہمارا سجدہ اس مقام پر ہو پاتا ہے جہاں حضورؐ کے پاؤں مبارک ہوا کرتے تھے۔ ہجوم عاشقاں کے حال زار کے پیش نظر میں نے صرف دو نفل ادا کئے البتہ اس میں بیشتر اہم دلی دعائیں مانگ لیں۔ دن بھر کی مسافرت کے بعد مسجد نبویؐ میں ابھی اتنی حاضری ہی مناسب تھی۔ روضۂ رسولؐ کے روبرو ہونے کے لئے تو ابھی مجھے خود کو تیار کرنا تھا۔ یہاں سے نکل کر باہر آیا تو مبا کہ میری منتظر تھی۔ ہم دونوں تھوڑی دیر تک قریبی بازار میں گھومتے رہے۔ عشاء کی اذان ہونے تک پھر مسجد نبویؐ میں آ گئے۔ نماز عشاء ادا کی۔ پھر اپنے کمرہ میں

گئے۔کھانا کھایااور سیر کرنے کے لئے باہر نکل آئے۔سیر کرنے کے بعد اپنے کمرے میں آ کرسو گئے۔

۸ر دسمبر کا دن میرے لئے اس لحاظ سے بے حد اہم دن تھا کہ اس دن مجھے روضۂ رسولؐ کے سامنے حاضری دینی تھی۔نماز فجر کے بعد میں نے ریاض الجنۃ کے استوانہ عائشہ میں بڑی مشکل سے جگہ حاصل کی۔نوافل ادا کئے۔کثرت سے درود شریف پڑھنے کے بعد خود کو روضۂ رسولؐ پر حاضری دینے کے لئے تیار پایا۔لائن میں جگہ آرام سے مل گئی۔زیادہ دھکم پیل نہیں ہوئی۔جالیوں کے سامنے سرکاری اہلکار کھڑے تھے۔زائرین کو درود وسلام پڑھتے ہوئے بس گذرتے چلے جانا تھا۔ جالی کو احتراماً چھونا بھی منع تھا۔زیارت روضۂ اقدس کے بعد میں قبلہ رُخ ہو کر مڑ گیا اور پیچھے سے آ کر روضۂ اقدس کے سامنے کھڑا ہو گیا۔ یہاں اور بہت سارے لوگ بھی کھڑے تھے۔ ہمارے اور روضۂ اقدس کے درمیان زائرین کی قطار رواں دواں تھی تاہم اس طرف کھڑے ہو کر دیدار کرتے رہنے کی سہولت ملنا بھی بہت بڑی بات تھی۔ پہلے تو میں نے روضۂ رسولؐ پر پڑھی جانے والی مخصوص دعائیں پڑھیں۔طریق کار کے مطابق ایک بار روضۂ رسولؐ کی طرف منہ کر کے اور قبلہ کی طرف پشت کر کے اور ایک بار قبلہ کی طرف منہ کر کے اور روضۂ اقدس کی طرف پُشت کر کے مخصوص دعائیں پڑھنی ہوتی ہیں۔ایسا دو دو بار کرنا ہوتا ہے۔جب میں قبلہ رُخ ہوتا تھا تو میرے سامنے وہ کھڑکی ہوتی تھی جس کی نسبت روایت ہے کہ حضرت جبرائیل یہاں سے گذر کر وحی لاتے تھے۔ ویسے جس حجرہ کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہاں حضورؐ کی حضرت جبرائیل سے ملاقات ہوا کرتی تھی، وہ روضۂ رسولؐ کے اندر آ گیا ہے۔اسی طرح اسطوانۂ علی اور اسطوانہ وفود... یہ تینوں اسطوانے ریاض الجنت والی سائڈ سے نصف کے لگ بھگ روضۂ اقدس کے اندر ہیں اور نصف کے لگ بھگ باہر ہیں۔ روضۂ اقدس پر مخصوص دعائیں پڑھنے کے بعد میں نے حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کے لئے بھی مخصوص دعائیں پڑھیں پھر جالی کے درمیانے حصے کے سامنے آ گیا۔میں نے داتا دربار میں، حضرت نظام الدین اولیا کے مزار پر اور بابا بلھے شاہ سے لے کر اپنے والدین کے مزاروں تک ہمیشہ ہاتھ اٹھا کر دعا مانگی ہے۔والدین کے لئے ان کی

مغفرت کی، بزرگوں کے مزارات پر خدا سے ان کے درجات کی بلندی کی اور ان کے نیک نقش قدم پر چلنے کی توفیق پانے کی دعائیں کی ہیں۔ یہاں بھی مجھے خدا کے پیارے حبیب کے صدقے، اپنی زبان میں خدا سے بہت کچھ مانگنا تھا۔ جب میں ہر اذان کے بعد آنحضرتﷺ کے لئے مقام محمود کی دعا کر سکتا ہوں تو اب یہاں کھڑے ہو کر بھی کر سکتا ہوں۔سو میں نے دعا کے لئے ہاتھ اٹھا لئے۔میں اپنی دعاؤں میں مگن تھا۔جب دعائیں ہو گئیں اور میں نے درود شریف پڑھنا شروع کیا، تب کسی کے زور سے چلّانے کی آواز آئی۔میں نے دعا کے لئے اٹھے ہوئے ہاتھ اپنے چہرہ پر پھیرے اور دیکھا تو جالیوں کے سامنے کھڑا ہوا ایک پُلسیا مجھ پر برہم ہو رہا تھا۔ اس کی آواز خاصی اونچی تھی اور اسی جگہ روضۂ رسولؐ کی جالی سے اوپر کر کے وہ آیت لکھی ہوئی تھی جس کا ترجمہ یہ ہے: نبیؐ کے سامنے اپنی آواز بلند مت کیا کرو۔ پُلسیئے کی برہمی سے یہ تو اندازہ ہو گیا تھا کہ دعا کے لئے ہاتھ اٹھانے کو بھی شرک میں شمار کر لیا گیا ہے لیکن وہ کیا کہہ رہا تھا یہ سمجھ میں نہیں آیا۔چلیں جو کچھ بھی کہہ رہا تھا عربی شریف میں ہی کہہ رہا تھا۔

میں زیارتِ روضۂ رسولؐ کے بعد باہر آیا تو صبح کے پونے سات بجے تھے۔مبارکہ عورتوں والے حصے سے ابھی تک باہر نہیں آئی تھی۔ پورے ایک گھنٹہ تک انتظار کرنا پڑا۔اتنا طویل انتظار اور پھر وہ بھی بیوی کا.... لیکن اس عمر میں تو بیوی کا ہی انتظار کیا جا سکتا ہے۔البتہ ایک پریشانی لاحق ہو گئی۔مکہ مکرمہ دسمبر میں بھی ٹھنڈا نہیں لگا تھا۔وہاں کی راتیں اور صبحیں خوشگوار ہوتی تھیں۔ میں نے وہیں کے موسم کے حساب سے مدینہ شریف میں بھی صرف سلوار قمیص پہنی تھی۔قمیص کے نیچے بنیان بھی نہیں تھی۔ایک تو مدینہ منوّرہ کا موسم مکہ کی نسبت تھوڑا سا ٹھنڈا تھا۔ پھر صبح کا وقت۔ لباس میں بے احتیاطی۔ستم بالائے ستم اس حالت میں حرم شریف مسجد نبوی کے باہر مبارکہ کا طویل انتظار.... اس ٹھنڈے ٹھار انتظار نے جوانی کی بعض محبتیں یاد دلا دیں (ان ادیبوں سے معذرت کے ساتھ جو شاید اپنے نجی تجربوں کے باعث یہ سمجھتے ہیں کہ اردو کے ہر شاعر کی محبت فرضی ہوتی ہے) مسجد النبی کے باہر مبارکہ کا انتظار کرتے ہوئے میں نے ان سارے پیارے لوگوں کے گھروں کے خوشحال اور آباد رہنے کی دعا کی اور ارادہ کیا کہ ایک بار ان سارے لوگوں کے لئے

نوافل پڑھتے ہوئے بھی دعا کروں گا۔اسی دن ہی اس دعا کی توفیق مل گئی۔فالحمدللہ۔

مبارکہ سات بج کر پچاس منٹ پر باہر آئی تو پتہ چلا کہ روزانہ سوا سات بجے کے قریب خواتین کو روضۂ رسولؐ پر حاضری کا موقعہ دیا جاتا ہے۔اس سلسلے میں عارضی پردے کا انتظام کیا جاتا ہے۔اس بابرکت موقعہ سے فائدہ اٹھا کر مبارکہ بھی روضہ شریف کی زیارت کر آئی تھی لیکن میں تو اس دوران بالکل ہی ٹھنڈا ہو گیا تھا۔جلدی جلدی اپنے کمرہ تک پہنچے۔ناشتہ کیا اور پھر کمبل لے کر سو گیا۔ٹھنڈ کے باعث کمبل لپیٹنے سے مزے کی نیند آئی۔تقریباً ساڑھے گیارہ بجے آنکھ کھلی تو نماز ظہر کی تیاری کرنے لگے۔نماز ظہر کے بعد ہم نے جنت البقیع جانا چاہا تو پتہ چلا اس وقت گیٹ بند ہے۔نماز عصر کے بعد کھلے گا۔چنانچہ ہم نیچے سے ہی مارکیٹ کی طرف نکل گئے۔وہاں سے مدینہ شریف کے تبرّکات خریدے۔پھر اپنے کمرہ میں آئے،دوپہر کا کھانا کھایا۔تھوڑا آرام کیا پھر نماز عصر کے لئے چل پڑے۔نماز عصر کے بعد جنت البقیع کی طرف گئے تو ابھی بھی گیٹ بند تھا۔ گیٹ سے باہر جنت البقیع کا جو حال دیکھا وہی کافی ہو گیا۔یہاں بھی سرکار نے بلڈوزر چلوا دیئے تھے۔وہ قبرستان جس کے بارے میں یہاں تک کہا گیا ہے کہ قیامت کے دن اس قبرستان میں دفن ہونے والے تمام لوگوں کو کسی حساب کتاب کے بغیر بہشت میں ڈال دیا جائے گا۔جس قبرستان میں حضرت میمونہؓ۔حضرت بی بی فاطمۃ الزہراؓ،حضورؐ کے صاحبزادے حضرت ابراہیمؓ، حضرت عباسؓ،حضرت امام حسنؓ،حضرت بی بی حلیمہ سعدیہؓ،حضرت عثمانؓ،اوران کی دونوں ازواج مطہرات،حضرت عقیل بن طالب،حضرت علی کی والدہ حضرت فاطمہ بنت اسد اور کئی جیّد صحابۂ کرام کے مزارات تھے۔اب ان سب کو بے نام ونشاں کر دیا گیا ہے۔ جنت المعلیٰ والا حال ہے.....مجھے سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ کس کے مزار کا قیاس کر کے دعا کروں...ابا جی والی بات یاد آ گئی.... میں ماں کی قبر بھول گیا ہوں قبرستان بہت پھیل گیا ہے آخر قبرستان کے مین گیٹ پر ہی دعا کر کے آ گیا ہوں.... پر یہاں تو قبریں ہی بے نشاں کر دی گئی ہیں۔ میں نے سوچا میں بھی مین گیٹ پر کھڑے ہو کر دعا کر لیتا ہوں۔ اچانک مین گیٹ سے پرے بائیں جانب مجھے ایک صاحب دکھائی دیئے۔اپنے لباس سے کوئی ایرانی عالم لگ رہے تھے۔ان کے قریب گیا تو وہ سامنے کی چند

قبروں کو جنگلے میں سے محبت اور حسرت بھری نگاہوں سے دیکھ رہے تھے۔ان سے ٹوٹی پھوٹی فاسی میں پوچھا یہ کس کا مزار ہے؟ انہوں نے بتایا فاطمہ بنت اسد کا.....یعنی حضرت علیؓ کی والدہ ماجدہ کا مزار تھا۔مرتے دم تک آنحضرتﷺ کا ساتھ دینے والے حضرت ابوطالبؓ کی زوجہ محترمہ، ایک عمر تک حضورؐ کی دیکھ ریکھ کرنے والی ان کی چچی،حضرت فاطمہ الزہرا کی ساس،حضرت امام حسنؓ،حسینؓ کی دادی اماں.....اتنے معتبر رشتوں والی ہستی....میں نے وہیں دعا کے لئے ہاتھ اٹھا لیے...سارے اہل بیت،صحابہ کرام اور بزرگان دین کے نیک نقشِ قدم پر چلنے کی توفیق پانے کی دعا کی۔سب کے درجات کی بلندی کی دعا کی۔اور سعودی حکمرانوں کا ''شرک فوبیا'' دور ہونے کے لئے بھی دعا کی۔پھر بجھے ہوئے دل کے ساتھ واپسی ہوئی۔

مسجد نبوی میں داخل ہو کر اسطوانہ تہجد میں جگہ بنائی۔ یہاں نفل ادا کئے۔اسی دوران ایک باباجی نے میرے مخصوص انداز میں میرے بائیں طرف بیٹھے صاحب کو تھوڑا سا پرے دھکیلا اور مجھے بھی کندھا مارا۔ یہ تو بالکل میرے والا اسٹائل تھا۔ میں نے احترام اور محبت کے ساتھ انہیں دیکھا اور ان کے لئے مزید جگہ بنا دی....استوانہ تہجد ایک چبوترہ کی صورت میں بنایا گیا ہے۔روضۂ رسولؐ کے عین پیچھے۔ اور اسی کی چوڑائی کے برابر سائز...اس جگہ آنحضرتﷺ تہجد کی نماز ادا فرمایا کرتے تھے۔اسطوانہ تہجد کے بعد غالباً ایک دو صفیں زمین پر تھیں اور پھر ایک بڑا سا چبوترہ تھا.... یہ اصحاب صفہ کا چبوترہ تھا...مسجد نبویؐ میں درویشوں،فقیروں کا ڈیرہ....اسلامی تصوف کے ابتدائی نقوش اصحاب صفہ اور حضرت علیؓ تک ملتے ہیں۔حضرت علیؓ کا رمزیہ فرمان **انا نقطه تحت البائے**...ایک طرح سے اسلامی تصوف کا نقطۂ آغاز ہے۔تصوف میرا پسندیدہ موضوع ہے۔صوفیا اور فقیروں سے محبت اور عقیدت رکھتا ہوں۔جبّہ و دستار والے بہروپیوں کے مقابلہ میں صوفی کی عظمت اسکی عاجزی اور نیازمندی میں ہوتی ہے جبکہ جبّہ و دستار والی ہستیوں کو اپنی دستارِ فضیلت سنبھالے رکھنے کے لئے ہر وقت گردن اکڑا کے رہنا پڑتا ہے اور پھر انہیں پتہ بھی نہیں چلتا کہ گردن کے ہمہ وقت اکڑاؤ کے باعث تکبّر ان کی شخصیت کا حصہ بن چکا ہے۔ دوسروں کو عاجزی اور انکساری کی تلقین کرنے والے متکبروں کے مقابلہ میں صوفی اور فقیر لوگ خود انکساری

اور عاجزی کی جیتی جاگتی مثال ہوتے ہیں۔ان کی انکساری اور عاجزی انہیں دستاروں والے متکبر سروں کے مقابلہ میں عظیم بنا دیتی ہے۔وہی شاخِ ثمر دار والی مثال....اسطوانہ تہجد کے بعد میں اصحاب صفہ کے چبوترہ پر گیا۔اسطوانہ تہجد اور اصحاب صفہ کا چبوترہ....دونوں چبوترے تین ستونوں کے گھیرے میں ہیں اور دونوں چبوترے روضۂ رسولؐ کی چوڑائی کے برابر روضۂ رسولؐ کی عقبی جانب اسکی سیدھ میں ہیں۔میں اصحاب صفہ کے چبوترہ کے درمیانے ستون کی سیدھ میں آخری صف میں جگہ حاصل کرسکا۔یہاں سے بیٹھ کر اسطوانہ تہجد والے حصے کی چھت کی طرف دیکھا تو دائیں طرف اللہ، بائیں طرف علیؓ اور درمیان میں محمدؐ لکھا ہوا نظر آیا۔حضور ﷺ کے اسمِ گرامی کے ساتھ ایک اور نام درج تھا مگر ستون کے آڑے آنے کی وجہ سے وہاں سے دکھائی نہیں دے رہا تھا۔صوفیوں کے ڈیرے پر اللہ، محمدؐ اور علیؓ کے ناموں کا ایک ساتھ دکھائی دینا بھی کوئی صوفیانہ رمز ہی تھی۔بعد میں جب میں نے زاویہ تبدیل کرکے دیکھا تو جو نام اوجھل ہو رہا تھا حضرت عثمانؓ غنی کا تھا...میں حضرت عثمانؓ سے محبت رکھتا ہوں۔اپنے دوسرے بیٹے کا نام میں نے عثمان حیدر رکھا تھا۔یہ نام ایک طرح سے شیعہ،سنی اتحاد کی علامت ہے۔تاہم اصحابِ صفہ کے چبوترہ پر تصوف کے حوالے سے مجھے صرف اللہ، محمدؐ اور علیؓ کے نام دکھائی دیئے تو شاید ایسے ہی دِکھنے چاہئیں تھے کہ اسلامی تصوف کی تکون ان تین ناموں سے ہی بنتی ہے۔میں نے نماز مغرب اصحاب صفہ کے چبوترہ پر ادا کی اور ایک بار پھر روضۂ رسولؐ پر حاضری دینے کے لئے تیار ہو گیا۔روضۂ اقدس کے سامنے سے گذر جانے کے بعد پھر قبلہ رُخ ہو کر واپس آ گیا۔روضہ کی جالی کے سامنے،زائرین کی رواں دواں قطار سے تھوڑا سا پیچھے کھڑے ہو کر میں نے مخصوص دعائیں،مخصوص طریقے سے پڑھیں۔پھر حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کے لئے مخصوص دعائیں کیں۔اس کے بعد تھوڑا سا مزید پیچھے ہو گیا تا کہ میرے دعا کے لئے اٹھے ہوئے ہاتھ دیکھ کر کوئی پُلسیا پھر شور نہ مچا دے۔اب میں اپنی دعائیں کر رہا تھا۔اپنی زبان میں.....اپنی خواہشیں،آرزوئیں،تمنائیں.....

روضۂ رسولؐ پر حاضری کے بعد سیدھے باہر نکل جائیں تو بیرونی دروازے سے پہلے دائیں جانب کی دیوار پر چند نشانات بنے ہوئے ہیں۔یہاں حضور اکرم ﷺ کی دیگر ازواج

مطہرات کے حجرے ہوا کرتے تھے۔روضۂ رسولؐ پر ساری دعائیں کر لینے کے بعد میں نے امہات المومنینؓ کے حجروں کے نشانات کے سامنے کھڑے ہو کر دعا کی اور باہر آ گیا۔آدھے گھنٹے کے بعد عشاء کی نماز ہوئی۔عشاء کے بعد ہم دونوں مارکیٹ کی سیر کے لئے نکلے۔مبارکہ کو بچی ہوئی رقم کی مالیت کا اندازہ ہو گیا تھا اس لئے اب وہ خود ہی خریداری کرتے وقت احتیاط کر رہی تھی۔مارکیٹ سے باہر آ کر اپنے کمرہ میں پہنچے۔رات کا کھانا کھایا اور سو گئے....سونے سے پہلے میں نے ارادہ کیا کہ کل ۹ر دسمبر کی صبح میں نے تین بجے تک جاگ جانا ہے۔چنانچہ صبح ٹھیک تین بجے میری آنکھ کھل گئی۔باتھ روم میں جا کر حوائج ضروریہ سے فارغ ہوا۔پھر اچھی طرح سے اور جی بھر کے نہایا۔نئے کپڑے پہنے،مبارکہ کو جگایا۔مبارکہ وضو کرنے سے ہی تازہ دم ہو گئی۔ہم مسجد نبویؐ کی طرف روانہ ہوئے...مدینہ شریف میں پہلے دن سے ہمارا یہ طریق کار رہا ہے کہ جب بھی ہم مسجد نبویؐ کی طرف جاتے۔مبارکہ زیرِ لب درود شریف پڑھتی رہتی اور میں بہت ہی دھیمی آواز میں لے کے ساتھ صلوٰۃ وسلام پڑھتا جاتا:

الصلوٰة والسلام عليك۔۔۔۔۔ يا رسول الله!
والصلوٰة والسلام عليك ۔۔۔۔يا حبيب الله!
صلِّ عليٰ نبيّنا۔۔ صلِّ عليٰ محمدٍّ
صلِّ عليٰ شفيعنا۔ صلِّ عليٰ محمدٍّ
ًصلیِ عليٰ حبيبنا۔صلِّ عليٰ محمدٍّ
صلیِ عليٰ شفيقنا۔ صلِّ عليٰ محمدٍّ
صلیِّ عليٰ كريمنا۔ صلِّ عليٰ محمدٍ
صلِّ عليٰ رحيمنا۔ صلِّ عليٰ محمدٍّ

جتنے صفاتی نام یاد آتے جاتے اسی طرح لَے کے ساتھ پڑھتا جاتا۔حرم شریف کے قریب پہنچنے تک درود شرف پڑھنا شروع کر دیتا۔لیکن آج یہ صلوٰۃ وسلام پڑھتے ہوئے مجھے جو سرور آ رہا تھا میں اسے بیان نہیں کر سکتا۔شاید یہ سرور اُس آنے والی گھڑی کا اشارہ تھا جو مجھے مسجد

نبوی میں پہنچتے ہی نصیب ہونے والی تھی۔اسطوانہ تہجد پرتو میں پہلے بھی نوافل ادا کر چکا تھا۔لیکن آج مجھے یہاں نماز تہجد پڑھنے کی توفیق مل رہی تھی۔تہجد کی نماز پڑھنے کا مزہ آ گیا۔ڈھیر ساری دعائیں کرنے کا موقعہ ملااور ایسے لگا جیسے وہ ساری دعائیں بارگاہِ خداوندی میں منظور کر لی گئی ہیں اور اپنے اپنے وقت پر پوری ہوتی چلی جائیں گی۔ **سبحان الله و بحمدہِ سبحان الله العظیم۔ اللھم صلّ علیٰ محمد و آل محمد۔**

اسطوانۂ تہجد سے اٹھ کر میں ریاض الجنتہ والے حصہ کی طرف آیا مگر یہاں تو تل دھرنے کوجگہ نہ تھی۔کسی لائن اور دھکم پیل والی بات بھی نہیں تھی کہ کوئی چالا کی کام آ جاتی۔ایک انڈونیشین یا ملائیشین دوستوں کا گروپ بیٹھا تھا۔ ان سے منّت کر کے تھوڑی سی جگہ مانگی۔انہیں میری اردو کا تو ایک لفظ بھی سمجھ میں نہیں آیا ہوگا لیکن لگتا ہے میری صورت دیکھ کر ہی انکا دل پسیج گیا ہوگا جو مفت کی لسی مانگنے والوں جیسا بنا ہوا تھا۔سواُن اللہ کے بندوں نے خود کو تنگی میں ڈالا اور مجھے کھڑے ہونے کی تھوڑی سی جگہ عنایت کردی۔ یہاں میں نے دودو کر کے چار نفل پڑھے۔ نوافل کے بعد ابھی تسبیح وتحمید کر رہا تھا کہ فجر کی اذان ہوگئی۔ریاض الجنتہ میں نماز فجر کی ادائیگی کی توفیق ملی۔ پھر روضۂ اقدس پر حاضری کے لئے خود کو تیار کرنے کے لئے درود شریف پڑھنا شروع کیا۔کافی دیر تک درود شریف پڑھنے کے بعد **صلِ علیٰ نبینا** کاورد کرتے ہوئے لائن میں کھڑا ہوگیا۔جب روضہ شریف سامنے آیا میں نے صلوٰت وسلام شروع کر دیا۔لائن میں آگے تک چلے جانے کے بعد میں پھر حسبِ معمول لائن سے پیچھے ہٹ کر روضہ شریف کی جالی کے سامنے آ گیا اور روضۂ اقدس پر حاضری کی مخصوص دعائیں پڑھنے لگا۔طریق کار کے مطابق ایک دعا روضہ کی طرف منہ کر کے (تب پیٹھ قبلہ کی طرف ہوتی ہے) اور ایک دعا قبلہ کی طرف منہ کر کے (تب پیٹھ روضہ کی طرف ہوتی ہے) پڑھنا ہوتی ہے۔ایسا دودو بار کرنا ہوتا ہے۔ دوسری اور آخری بار جب میں قبلہ رُو ہو کر دعا پڑھ رہا تھا،نورانی چہرے اور سفید لمبی داڑھی والے ایک بزرگ مجھے گستاخِ رسولؐ سمجھ کر برہم ہونے لگے کہ میں روضۂ اقدس کی طرف پشت کئے کھڑا ہوں۔ میں اپنی دعا میں مشغول تھا اس لئے انہیں سمجھا بھی نہیں سکتا تھا۔’’موحدین‘‘ کے

نزدیک میری عقیدت شرک ہے اور ایسے بزرگوں کے نزدیک میں بے ادب اور گستاخ تھا۔میں ادھر جاؤں یا ادھر جاؤں؟..... ان بزرگ نے مجھے دیکھ کر باقاعدہ **اعوذبالله من الشیطن الرجیم** کاورد شروع کر دیا۔ شاید بات ان کی بھی ٹھیک تھی۔فرشتوں کے سردار نے جب بڑا موحد بنتے ہوئے،سجدۂ آدم کے خدائی حکم سے منہ پھیر لیا تھا تب اس نے آدم کی نہیں،خدائی حکم کی توہین کی تھی۔ چنانچہ وہ متکبر موحد اپنی سرداری کے باوجود خدا کی بارگاہ میں ملعون ٹھہرا۔ میں جب روضۂ اقدس کی جانب پشت کئے قبلہ رو کھڑا تھا تو میری شخصیت کا موحدانہ رخ نمایاں تھا۔سواس بزرگ نے اپنی سمجھ کے مطابق مجھے گستاخِ رسولؐ باور کر کے شیطان سمجھ لیا،وہ بھی اپنی جگہ حق بجانب ہوں گے۔ یہ الگ بات کہ تھوڑی دیر کے بعد جب اسی’’شیطان ‘‘نے پھر قبلہ سے منہ پھیر کر روضۂ اقدس کی جانب کر لیا تو وہی بزرگ مجھے سنانے کے لئے ماشاء اللہ،سبحان اللہ کہنے لگ گئے...ان کے چہرے پر خوشی کا نور پھیل گیا،جیسے میں گمراہی کے گڑھے سے نکل آیا تھا....میں نے بے حد مدھم آواز میں خوش الحانی کے ساتھ **’’الصلوٰۃ والسلام‘‘** کاورد شروع کیا پھر **’’صلِ علی نبینا...‘‘** کاورد کرتا رہا اور پھر درود شریف پڑھتے ہوئے روضۂ رسولؐ کے قریب والے دروازے سے باہر آ گیا... باہر سے پھر’’باب جبریل‘‘ کے راستے سے اندر آ گیا۔اسطوانۂ تہجد سے روضۂ رسولؐ کی بائیں دیوار کے شروع میں دو چھوٹے سے کمرے دکھائی پڑے تھے۔’’باب جبریل‘‘ سے اندر داخل ہوتے ہی وہ دیوار نظر آئی۔وہاں بہت سارے اہلِ تشیع حضرات کا جمگھٹا سا تھا۔ میں نے ایک ایرانی بھائی سے ٹوٹی پھوٹی فارسی میں دریافت کیا کہ یہ کونسی جگہ ہے؟ انہوں نے بتایا کہ یہ حضرت فاطمہ الزہراؑ کا حجرہ ہے اور امیر علیہ السلام بھی یہاں قیام فرمایا کرتے تھے۔اس جگہ کے باہر کچھ بھی تحریر نہیں تھا۔اگر یہ واقعی دختر رسولؐ،خاتونِ جنت،حضرت بی بی فاطمۃ الزہراؓ کا حجرہ مبارک تھا تو یہاں بھی اس کے بارے میں وضاحت سے لکھا جانا چاہیے تھا۔ میں نے وہاں کھڑے ہو کر دعا کی پھر اسطوانہ تہجد اور اصحاب صفہ کے چبوترہ کے درمیانی رستے سے گذرتا ہوا آگے جا کر بائیں طرف ریاض الجنتہ کے حصہ کی طرف مڑ گیا۔روضۂ رسولؐ سے منسلک استوانۂ سریر کی زیارت کی۔ یہاں سے حضرت عائشہ صدیقہؓ بیٹھے

بیٹھے ہی حضورؐ کو ان کے حجرہ میں، حالتِ اعتکاف میں، سر پر تیل لگا دیا کرتی تھیں۔ اسی کی سیدھ میں آگے اسطوانہ ابی لباب ہے اور اس سے اگلے ستون پر اسطوانۂ عائشہ تحریر ہے۔ اسطوانۂ سریر کے بعد روضۂ رسولؐ کی عمارت سے جڑا ہوا اسطوانہ حرس ہے، یہ اسطوانہ علیؓ بھی کہلاتا ہے۔ اس کے ساتھ ہی اسطوانہ وفود ہے۔ حضور اکرم ﷺ باہر سے آنے والے وفود سے اسی جگہ ملاقات فرمایا کرتے تھے۔ یہاں تک زیارت کرنے کے بعد میں مسجد نبویؐ سے باہر آ گیا۔ وہاں سے مبارکہ کو ساتھ لیا اور ہم دونوں درود شریف پڑھتے ہوئے اپنے کمرے میں آ گئے۔ یہاں پہلے ناشتہ کیا۔ پھر مدینہ منوّرہ کے چند مقدس اور تاریخی مقامات کو دیکھنے کے لئے روانہ ہوئے۔

☆☆☆

مدینہ منوّرہ کے مقدس اور تاریخی مقامات

سب سے پہلے احد کے پہاڑ پر پہنچے۔ یہاں غزوۂ احد کے ۷۳ شہداء کے مزار ہیں۔ حضرت حمزہؓ، حضرت جحشؓ اور حضرت معصب بن عمیرؓ کے مزار سامنے سے دکھائی دیتے ہیں، باقی ستر شہداء کے مزار آگے ہیں۔ یہاں حضرت حمزہؓ سمیت تمام شہدائے احد کے لئے دعا کی۔ یہاں کے زائرین میں اکثریت اہلِ تشیع کی لگ رہی تھی۔ حضورؐ کے چچا حضرت حمزہؓ کی شہادت کے بعد ہندہ نے جس سفّاکی کے ساتھ آپؐ کا سینہ چاک کرکے، کلیجہ نکال کر چبایا تھا وہ اسلامی تاریخ کا ایک اندوہناک واقعہ ہے۔ آنحضرت ﷺ رحمۃ للعالمین تھے۔ آپؐ نے اپنے خون کے پیاسوں کو بھی معاف کر دیا تھا لیکن ہندہ کی بہیمیت کا آپ کے دل پر گہرا اثر تھا۔ فتح مکہ کے موقعہ پر ہندہ نے خاموشی سے آ کر اور اجتماعی بیعت میں شامل ہو کر اسلام کو تسلیم کر لیا تھا۔ حضورؐ کو جب ہندہ نے یہ بات بتائی کہ وہ بھی بیعت کر چکی ہے تو آپؐ نے فرمایا ٹھیک ہے، لیکن دوبارہ میرے سامنے نہیں آنا..... اسی ہندہ کے پوتے یزید نے بعد میں ''خلیفۂ وقت'' کے لیبل کے ساتھ آلِ رسولؐ کو میدانِ کربلا میں بے دردی کے ساتھ شہید کرایا۔ شاید اسی پس منظر کے باعث یہاں اہلِ تشیع زائرین کی کثرت تھی۔ احد کی جنگ ہی میں حضور ﷺ کا دندان مبارک شہید ہوا تھا اور آپ ﷺ زخمی ہوئے تھے۔

میدان احد کے بعد ہم مسجد قبلتین کی طرف گئے۔ مسجد قبلتین کا مطلب ہے دو قبلوں والی مسجد.... پہلے شمالی جانب (بیت المقدس کی طرف) قبلہ تھا۔ اسی مسجد میں نماز کے دوران تحویل

قبلہ کا حکم ہوا اور دورانِ نماز ہی حضورؐ نے شمال سے جنوب کی طرف رُخ فرما لیا کہ خانہ کعبہ جنوب کی
طرف ہے۔ اس تبدیلی سے بعض صحابہ نے شدید ٹھوکر کھائی۔ بعض نماز چھوڑ کر بھاگ گئے۔ بعض
نے اسلام سے علیحدگی اختیار کر لی۔ میں مسجد قبلتین کے اندرونی حصہ میں جا کر شمالاً جنوباً دیکھنے لگا۔
میری سمجھ بوجھ کے مطابق قبلہ کی فلاسفی مجھ پر کھلنے لگی۔ خدا لامحدود ہے۔ لامحدود ہستی کسی محدود
مکان میں نہیں آسکتی بقول غالبؔ:

ہے پرے سرحدِ ادراک سے اپنا مسجود
قبلہ کو اہلِ نظر قبلہ نما کہتے ہیں

ہاں۔۔۔خدا کسی مقام کو فضیلت بخش دے تو اس کا فرمان ہی اس گھر کو برکات و
انوار کا مرکز اور منبع بنا دیتا ہے۔ تحویل قبلہ سے پہلے اسلام کے ابتدائی دس برس مکہ میں
گذرے۔ وہاں مکہ والوں کا روحانی مرکز اور محور خانہ کعبہ تھا لیکن حضورؐ خدائی حکم کے مطابق بیت
المقدس کی طرف منہ کر کے ہی نماز پڑھتے رہے۔ مدینہ تشریف آوری کے بعد بھی کچھ عرصہ تک
قبلہ بیت المقدس ہی رہا۔ مدینہ اور اس کے آس پاس یہودیوں اور مسیحیوں کے کئی قبائل آباد تھے
مسلمانوں کا بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنا انہیں اچھا لگتا تھا لیکن جب قبلہ تبدیل
ہوا تو کئی صحابہ کو ٹھوکر لگنے کے ساتھ یہودیوں اور مسیحیوں کو بھی اس سے سخت صدمہ پہنچا....اس
سے میں نے یہ اصول سمجھا کہ خدا جب قبلہ کی تبدیلی کا حکم دیتا ہے تو وہ لوگوں کے مروّجہ عقائد اور
تصوّرات کے برعکس اپنا حکم صادر کرتا ہے جس سے مخالفین کے دلوں میں نفرت بڑھانے والا جوش
پیدا ہوتا ہے۔ اس زمانے میں قبلہ کی تبدیلی پر متعدد اعتراضات کئے گئے جن میں ایک اعتراض یہ
تھا کہ اسلام تو بت پرستی کا مخالف ہے لیکن خانہ کعبہ جسے اب قبلہ بنایا گیا ہے اس میں تو ۳۶۰ بُت
پڑے ہوئے ہیں اور یہ اعتراض تو مغرب کے مستشرقین آج بھی دہراتے نہیں تھکتے کہ نعوذ باللہ
حضورؐ نے قوم پرستی کے جذبہ کے تحت قبلہ تبدیل کیا تھا۔ بیت المقدس حضرت ابراہیم کے بعد
حضرت اسحاق اور حضرت یعقوب اور دیگر انبیائے بنی اسرائیل کی نسبت سے خصوصی اہمیت
رکھتا ہے۔ دوسری طرف حضرت ابراہیم کے دوسرے بیٹے حضرت اسماعیل کی نسبت سے خانہ کعبہ کو

اہمیت حاصل تھی۔ حضورؐ خود حضرت اسماعیل کی آل سے تھے چنانچہ تحویل قبلہ کے وقت قوم پرستی کا
اعتراض بھی جڑ دیا گیا۔ قطع نظر اس سے کہ قوم پرستی کا الزام لگانے والے یہودیوں اور مسیحیوں کے
الزام سے خود ان کی اپنی قوم پرستی ظاہر ہوتی ہے، از روئے قرآن خانہ کعبہ کی وجہ فضیلت تو سراسر
ابراہیمی ہے۔ قرآن مجید سے دو حوالے یہاں درج کر دینا مناسب ہوگا:

۱۔ ’’اور جب ہم نے اس گھر کو (یعنی کعبہ کو) لوگوں کے لئے بار بار جمع ہونے کی جگہ اور امن کا مقام بنایا تھا اور (حکم دیا تھا کہ) ابراہیم کے کھڑے ہونے کی جگہ کو نماز کا مقام بناؤ‘‘ **(البقرہ:۱۲۶)**

۲۔ ’’سب سے پہلا گھر جو تمام لوگوں کے (فائدہ کے) لئے بنایا گیا تھا وہ ہے جو مکہ میں ہے۔ وہ تمام جہانوں کے لئے برکت والا مقام اور موجبِ ہدایت ہے اس میں کئی روشن نشانات ہیں۔ وہ ابراہیم کی قیام گاہ ہے‘‘ **(آل عمران:۹۸)**

بہر حال وہی کعبہ جس کے حوالے سے اعتراضات کئے گئے آج دنیا کا واحد ایسا روحانی
مرکز ہے جہاں سے فیض پانے والوں کا سلسلہ دن رات مسلسل جاری رہتا ہے۔ جہاں خدا کی
رحمتوں، برکتوں اور انوار کی ایسی بارش ہوتی رہتی ہے کہ میرے جیسا ’’گمراہ‘‘ بھی وہاں جاتا ہے تو
اپنے اندر حیرت انگیز پاک تبدیلیاں پاتا ہے۔ جہاں میری ساری عقلی باتیں، ٹھوس دلائل۔۔۔۔
سب بے معنی ہو جاتے ہیں۔ اندر کی دُھلائی ہونے لگتی ہے، ساری میل کچیل نکلنے لگتی ہے۔

مسجد قبلتین کے بعد ہم میدان خندق کی طرف گئے۔ وہاں سب سے پہلے مسجد فتح میں
گئے۔ یہ وہ مقام تھا جہاں حضور اکرم ﷺ نے جنگ خندق کے دوران تین دنوں تک دعا فرمائی
تھی اور چوتھے دن آپؐ کو جنگ میں فتح کی بشارت ہوئی تھی۔ مسجد تھوڑی اونچائی پر تھی۔ یہاں
آکر ہم نے دو نفل پڑھے۔ پھر نیچے اترے اور سامنے دکھائی دینے والی مسجد سلمان فارسی میں
گئے۔ یہ چھوٹی سی مسجد خاصی خستہ حالت میں تھی۔ صفائی کا انتظام انتہائی خراب۔ مجھے حضرت
سلمانؓ فارسی کی عظیم شخصیت یاد آنے لگی.....حضرت عمر فاروقؓ خلیفۃ الرسول اور امیر المومنین....
رعب و دبدبے کے لحاظ سے بھی ڈاڑھے قسم کے تھے۔ مالِ غنیمت سے باقیوں کو ایک ایک چادر ملی

تھی، حضرت عمرؓ نے دو چادریں پہن رکھی تھیں۔ بھرے دربار خلافت میں حضرت سلمان فارسیؓ کھڑے ہوتے ہیں اور خلیفۂ وقت سے سوال کرتے ہیں کہ آپ کے پاس دو چادریں کہاں سے آ گئیں؟.... یہ احتسابی سوال تھا۔ سرِ عام جواب طلبی.... حضرت عمرؓ نے بڑے تحمل سے جواب دیا کہ ایک چادر جو میرے بیٹے کو ملی تھی وہ اس نے مجھے دے دی تھی..... یہ تھی خلیفہ وقت کی عظمت کہ اس نے خلافت کی طاقت کو خدا کی امانت سمجھا، ذاتی ملکیت نہیں بنایا.... بھری کچہری میں اعتراض ہوا۔ پیشانی پر شکن نہیں آئی۔ لہجے میں چبھن نہیں آئی۔ خندہ پیشانی سے جواب دیا۔ حضرت سلمان فارسیؓ مطمئن ہو گئے.... یہ خلافتِ حقہ اسلامیہ کا کردار تھا دوسری طرف یزید کی خلافت کا کردار ہے جو کسی کو اختلاف کا حق دینے کو تیار نہیں۔ سرِ عام احتساب کی تو بات ہی الگ ہے۔ جس کے پاس طاقت کا گھمنڈ اور بائیکاٹ کا حربہ ہے اور جس نے کربلا کو لہو رنگ کر رکھا ہے۔ یزیدی خلافت میں انسانیت فرات کے کنارے پر پیاسی دم توڑ دیتی ہے جبکہ حضرت عمر فاروقؓ فرمایا کرتے تھے کہ اگر میری خلافت میں فرات کے کنارے تک ایک کتا بھی بھوکا پیاسا مر گیا تو قیامت کے دن عمرؓ اس کے لئے جوابدہ ہوگا۔ جوابدہی کا یہ احساس ہی تھا جو خدا کی امانت کو اپنی ذاتی ملکیت نہیں بننے دیتا تھا.... مسجد سلمان فارسیؓ میں ہم دونوں نے دو دو نفل ادا کئے۔

مسجدِ فاروقؓ کی طرف جانے لگے تو رستے میں ایک طرف بڑی سی خندق کھدی ہوئی دکھائی دی۔ میں نے سمجھا کہ شاید اُس زمانے کی خندق کا ایک حصہ محفوظ کر لیا گیا ہے لیکن استفسار پر پتہ چلا کہ مسجد ابوبکر کی توسیع ہو رہی ہے اور جسے ہم خندق کا حصہ گمان کر رہے تھے وہ اصلاً مسجد ابوبکرؓ کی توسیع کے سلسلے میں ہونے والی کھدائی تھی۔ میں نے چاہا کہ مسجد ابوبکرؓ کا پرانا حصہ ہی دیکھ لیں لیکن موجودہ توسیع کے کام کے باعث ہمارا فی الوقت وہاں جانا ممکن نہیں تھا۔ مسجد ابوبکرؓ کے اندر نہ جا پانے کے باعث مجھے کچھ کھو جانے کا احساس ہوا۔ وہاں سے سیدھے گذرتے ہوئے مسجدِ عمر فاروق میں گئے۔ وہاں دو نفل ادا کئے۔ مسجد عمر فاروقؓ سے آگے پھر اونچائی پر جانا پڑا۔ مسجد علیؓ چوٹی پر تھی وہاں جا کر بھی دو نفل ادا کئے۔ دراصل جنگِ خندق کے دوران ان ممتاز صحابہ کرام نے اپنے اپنے مجاہدین کے ساتھ ان مقامات پر پڑاؤ کر رکھا تھا۔ چونکہ محاصرہ طویل تھا۔

آنحضرت ﷺ مختلف وقتوں میں اسلامی لشکر کے معائنہ کے لئے نکلتے تھے۔ حضرت سلمان فارسیؓ، حضرت ابوبکر صدیقؓ، حضرت عمر فاروقؓ اور حضرت علیؓ کے مجاہدین کے پڑاؤ کے مقامات پر مختلف اوقات میں حضورؐ کے معائنہ کے دوران جس نماز کا وقت ہو گیا، حضورؐ نے امامت فرما دی اور ان صحابہ کے پڑاؤ کی نسبت سے وہاں بعد میں مسجدیں بنا کر ان کے نام سے منسوب کر دی گئیں۔ مسجد علیؓ سے واپسی پر ایک چھوٹے سے کمرے جتنی ''مسجد فاطمہؓ'' دیکھی۔ یہاں دروازہ اتنا تنگ تھا کہ صرف دو آدمی ایک وقت میں مشکل سے گذر سکتے تھے۔ پھر وہاں رش بھی بہت زیادہ تھا۔ سو مبارکہ نے اور میں نے مسجد کے باہر کھڑے ہو کر ہی دعا کے لئے ہاتھ اٹھا لئے۔

میدانِ خندق کے بعد ہم مسجد قبا میں گئے۔ یہ دنیا کی سب سے پہلی مسجد ہے۔ مسجد الحرام، مسجد نبوی اور مسجد اقصیٰ کے بعد اس مسجد کو دنیا بھر کی مساجد پر فضیلت حاصل ہے روایت ہے کہ یہاں دو نفل پڑھنے کا ثواب عمرہ کے ثواب کے برابر ہے.... سنیچر اور سوموار کے دن مسجد قبا میں جانا زیادہ بابرکت اور افضل سمجھا جاتا ہے۔ اتفاق کی بات ہے کہ ہم جب یہاں حاضر ہوئے تو سوموار کا دن تھا۔ مسجد قبا کی بنیاد آنحضرت ﷺ نے اپنے دستِ مبارک سے رکھی تھی۔ میں نے محراب کے سامنے پہلی صف میں کھڑے ہو کر دو نفل ادا کئے۔ خدا کا شکر ادا کیا۔

☆☆☆

دیارِ نبیؐ میں آخری دن

مقامات مقدسہ کی زیارتوں کے بعد ہم السعودیہ ایئرلائنز کے آفس میں گئے۔ وہاں سے اپنی واپسی کی سیٹ کنفرم کرائی اور گیارہ بجے تک اپنے کمرے میں پہنچ گئے۔ ایک گھنٹہ آرام کیا پھر ظہر کی نماز کے لئے مسجد نبویؐ میں گئے۔ نماز کے بعد تھکاوٹ کا احساس ہونے لگا۔ چنانچہ اپنے کمرے میں آکر دوپہر کا کھانا کھائے بغیر سو گئے۔ تین بجے جاگے تو عصر کی نماز کی تیاری کرنے لگے۔ مسجد نبویؐ میں نمازِ عصر کی ادائیگی کے بعد مارکیٹ کی طرف نکل گئے۔ وہاں سے جرمنی میں بچوں کو فون کیا۔ رضوانہ، حفیظ، شعیب، عثمان، ٹیپو، مانو سب خیریت سے تھے۔ انہیں اپنی سیٹ کنفرم ہوجانے کی خبر دی اور بتایا کہ ہم انشاء اللہ ۱۲؍دسمبر کو فرینکفرٹ پہنچ جائیں گے۔ نماز مغرب کے بعد کھانا کھایا۔ عشاء کے وقت نماز کے لئے پھر مسجد نبوی میں گئے۔ نماز عشاء کے بعد پھر قریبی مارکیٹ کی طرف نکل گئے۔ وہاں ہلکی پھلکی خریداری کی۔ اپنے کمرے میں آکر سامان پیک کیا کیونکہ کل ۱۰؍دسمبر کو ہمیں مدینہ سے پھر مکہ واپس جانا ہے۔

سامان پیک کرنے کے بعد ہم لیٹے تو نیند آگئی۔ پتہ نہیں چلا کب گہری نیند آگئی لیکن صبح تین بجے ہم دونوں بیدار ہوکر، تیار ہوکر مسجد نبویؐ میں پہنچ گئے۔ شاید آج دربارِ نبویؐ میں آخری حاضری کا احساس تھا کہ ہم مسجد کے گیٹ کھلنے سے پہلے ہی وہاں پہنچ گئے تھے۔ جیسے ہی گیٹ کھلا میں لپکتا ہوا اسطوانۂ تہجد پر پہنچا۔ کل میں نے اسطوانۂ تہجد پر ہی نماز تہجد ادا کی تھی اور اسے اپنے لئے بہت بڑا..... بہت ہی بڑا اعزاز جانا تھا لیکن دل میں کہیں یہ خواہش بھی دبی ہوئی تھی کہ عین اس جالی کے نیچے نمازِ تہجد ادا کرسکوں جہاں کبھی حضور انور ﷺ نے تہجد کی نمازیں پڑھی تھیں۔ آج یہ خواہش خدا نے پوری فرمادی۔ اسطوانہ تہجد کی پہلی صف تھی۔ تہجد والی جالی کے بالکل نیچے مجھے جگہ ملی اور میں یہیں جم گیا۔ نماز تہجد پڑھی، پھر خاص

طور پر سورۃ رحمٰن پڑھی۔ فجر کی نماز بھی اسی جگہ پر ادا کی۔ فجر کی نماز کے بعد حسبِ معمول درود شریف اور صلوٰۃ وسلام کے ساتھ روضۂ رسولؐ پہ حاضری دی۔ مخصوص طریق کار کے مطابق دعائیں پڑھیں۔ حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کے لئے بھی مخصوص دعائیں پڑھیں۔ پھر اپنی دعائیں.....الوداعی دعائیں شروع کردیں۔ دعائیں اختتام کو پہنچیں تو مجھے ایسے لگا جیسے پُلسیا کسی کو ڈانٹ رہا ہو۔ میں نے آدھا درود شریف پڑھا تھا، آدھا ابھی پڑھ رہا تھا کہ پُلسیا مجھ تک پہنچ گیا۔ وہ دعا کے لئے اُٹھے ہوئے ہاتھ گرانے کو کہہ رہا تھا۔ لہجہ بالکل پاکستانی پولیس والا تھا...میں نے درود شریف مکمل کرکے منہ پر ہاتھ پھیرا تو عربی پولیس والا غصے کے تاثرات کے ساتھ واپس چلا گیا۔ جہاں تک توحید باری تعالیٰ پر ایمان کا تعلق ہے۔ یہودی بھی سخت توحید پرست ہیں اور سکھ حضرات تو اتنے موحد ہیں کہ ان کے نزدیک ہندو اور مسلمان دونوں پتھر کی پوجا کرنے والے ہیں، صرف اتنے سے فرق کے ساتھ کہ ہندو پتھر کو گھڑ کر پوجتا ہے اور مسلمان اَن گھڑ پتھر (حجر اسود) کو پوجتا ہے.... پر بابا..... یہ کیسی توحید پرستی ہے جو یہودیوں اور سکھوں کی مزعومہ توحید پرستی سے بھی بڑھ گئی ہے۔ جب میں اسطوانہ تہجد پر تھا۔ میرے آگے روضۂ رسول تھا، اسی کی سیدھ میں واقع اصحاب صفہ کے چبوترے سے بھی سجدہ کریں تو روضہ شریف سامنے ہوتا ہے۔ اسطوانۂ تہجد سے اسی سیدھ میں۔ حرم مسجد نبوی کے اخیر تک چلے جائیں تو روضۂ رسولؐ کی چوڑائی جتنے حصہ کی ساری صفوں کے نمازیوں کے سامنے روضۂ رسولؐ ہوتا ہے۔ اس کے سامنے ہونے کے باوجود ہزاروں لوگ اسی رُخ پر نماز پڑھ رہے ہیں، رکوع اور سجدے کر رہے ہیں۔ اگر روضۂ رسول کے سامنے ہونے والا سجدہ خدا کی بارگاہ میں ہی جا رہا ہے۔ یہ کوئی شرک نہیں ہے تو پھر جالی کے سامنے دعا کے لئے ہاتھ اٹھانے سے کونسا شرک عظیم ہوگیا تھا؟

قرآن شریف میں ارشاد خداوندی ہے۔ ''حکم سارا تو اللہ کے اختیار میں ہے'' (سورۃ انعام:۵۸)۔ اس اختیار میں خدا کی شرکت بلا غیرے کا واضح فرمان موجود ہے۔ ''وہ اپنے حکم اور اپنے فیصلے میں کسی کو اپنا شریک نہیں بناتا'' (سورہ کہف:۲۷) یہاں خدائی احکامات اور فیصلوں میں کسی اور کی شمولیت کو واضح الفاظ میں شرک سے جوڑ دیا گیا ہے.....اب یہ آیات دیکھیں جن

میں رسولؐ کی شرکت صاف صاف ظاہر ہو رہی ہے۔

ا۔ ''پس تیرے رب کی قسم ہے کہ جب تک وہ ہر اُس بات میں جس کے متعلق ان میں جھگڑا ہو جائے تجھے حکم نہ بنائیں اور پھر جو فیصلہ تو کرے اس سے اپنے نفوس میں کسی قسم کی تنگی نہ پائیں اور پورے طور پر فرماں بردار نہ ہو جائیں، ہرگز ایمان دار نہ ہوں گے'' (سورۃ النساء:٦٦)

٢۔''جب اللہ اور اس کا رسول کسی معاملے میں فیصلہ کر دیں.....'' (سورۃ احزاب:٣٧)

اب خدائی حکم اور فیصلے میں رسولؐ کی پوری شرکت ہوگئی۔ کیا نعوذ باللہ یہ کہہ دیا جائے کہ وہ خدا جو اپنے حکموں اور فیصلوں میں کسی کو اپنا شریک نہیں بناتا تھا، اس نے خود ہی ایک شریک بنالیا ہے۔ **لاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم**۔ میں خود شرک کی جاہلانہ حرکات اور رسومات سے متنفر ہوں۔ شاید ایک بہت ہی چھوٹا سا وہابی میرے اندر بھی کہیں چھپا ہوا ہے.... لیکن میں موحد پن کے نام پر بہت زیادہ سخت رویہ اختیار کرنے والوں کے بھی خلاف ہوں۔ ایسے سخت گیر لوگ **فقست قلوبھم** والے حکم کے نیچے آتے ہیں۔ سیدھی سی بات ہے خدا کو ہم نے رسولؐ کے وسیلے سے ہی جانا اور مانا ہے۔ رسولؐ کی دو حیثیتیں ہیں۔ ایک بشری اور ایک الوہی.... بشری حیثیت تو وہی ہے جس میں رسولؐ بھی ہم جیسے عام انسانوں کی طرح چلتا پھرتا، کھاتا پیتا، زندگی بسر کرتا دکھائی دیتا ہے۔ لیکن الوہی مقام میں وہ صرف ایک آلہ بن جاتا ہے۔ جیسے ریڈیو سیٹ سے آواز آ رہی ہوتی ہے۔ یہ ریڈیو پاکستان، لاہور ہے... یا.... یہ آل انڈیا ریڈیو کی اردو سروس ہے۔ ویسے تو بے شک ریڈیو سیٹ ہی بول رہا ہوتا ہے لیکن حقیقتاً اس نے مذکورہ اسٹیشن کی فریکوئنسی پر اصل مرکز کی آواز کو نشر کیا ہوتا ہے۔ تو رسولؐ بھی اسی طرح بول رہا ہوتا ہے اور وہ اس کی اپنی نہیں، خدا کی آواز ہوتی ہے۔ یہ خدائی جلووں کا بڑا اظہار ہے کہ وہ خدا جو موسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں ایک درخت کے ذریعے سے بولا تھا: ''اے موسیٰ! میں خدا ہوں۔ سارے جہانوں کا رب'' (سورۃ قصص:٣١) وہی خدا آنحضرت ﷺ کے زمانے میں کسی درخت کی بجائے براہ راست حضور اکرم ﷺ کی زبان مبارک سے بول رہا تھا:

ومایَنطق عن الھویٰ ہ ان ھواِلّا وحیّ یوحیٰ (سورۃ النجم:٤،٥)

میں یہودیوں کی توحید پرستی کی قدر کرتا ہوں، سکھوں کی پتھر پرستی سے بیزاری کو محبت کی نظر سے دیکھتا ہوں۔ اسی طرح مسلمانوں میں جو موحد فرقے بے تکی مشرکانہ رسومات کے خلاف ہیں وہ بھی قابل قدر ہیں۔ لیکن ان سب کا موحدانہ موقف تصویر کا ایک رخ ہے۔ اب اسی نکتے پر ہی غور کر لیں کہ سجدہ تو ہم نے خدا کے حضور کرنا ہوتا ہے لیکن ناک اور ماتھا زمین پر رکھ دیتے ہیں۔ کیا اس پر ارض پرستی کا، دھرتی پوجا کا الزام نہیں لگایا جا سکتا؟ نتیجہ یہ نکلا کہ زیادہ باریکی میں جانا ٹھیک نہیں ہوتا.... میں ان رسومات اور افعال کو بھی اچھا نہیں کہتا جن سے شرک کا واضح اندیشہ ہو۔ لیکن کسی برتر روحانی دیار اور مقدس مقام پر جا کر کسی سے اگر بے اختیاری میں کچھ ہوتا ہے تو اس پر ڈنڈا لے کر نہیں کھڑا ہو جانا چاہیے۔ وہی مولانا روم والی بات کہ نشہ کے سرور میں وہ ہے اور بدمستیاں تم کر رہے ہو... ویسے بعد میں مبارکہ نے بتایا تھا کہ خواتین روضۂ اقدس کے سامنے ہاتھ اٹھا کر دعا مانگ رہی تھیں۔ مبارکہ نے بھی دعا مانگی تھی۔ انہیں کسی نے نہیں روکا ٹوکا۔ اللہ تعالیٰ سعودی عرب کی لیڈی پولیس کو جزائے خیر دے اور مردانہ پولیس کو ہدایت دے۔

روضۂ رسولؐ پر حاضری دینے کے بعد میں نے دورِ نبویؐ کی مسجد کے سارے حصہ پر چلنے کی سعادت حاصل کی۔ ریاض الجنۃ کے نیچے بیٹھ کر قرآن شریف کی تلاوت کی۔ دو نفل ادا کئے۔ پھر مسجد سے باہر آنے سے پہلے اصحاب صفہ کے چبوترہ پر جا کر پہلی صف میں دو نفل ادا کئے اور پھر باہر آ گیا۔ تقریباً اتنے ہی وقت میں مبارکہ بھی باہر آ گئی تھی۔ کل اور آج۔۔۔ دونوں دن ہم دونوں تہجد کے وقت سے لے کر صبح آٹھ بجے تک مسجد نبوی میں برکات و انوار سے فیضیاب ہوتے رہے۔ مسلسل چار گھنٹے تک کسی اکتاہٹ کے بغیر، پولیس والوں کی رخنہ اندازی کے باوجود نہ صرف مرا ذہنی، قلبی اور روحانی ارتکاز قائم رہا بلکہ انبساط و سرور کی انوکھی کیفیتیں بھی سرشار کرتی رہیں۔ حرم شریف مسجد نبویؐ سے باہر آ کر اس کی طرف پلٹ کر دیکھا اور پھر ہم درود شریف پڑھتے ہوئے آہستہ قدموں کے ساتھ اپنے کمرے کی طرف جانے لگے.... وہاں پہنچ کر ناشتہ کیا۔ ١٠ بجے تک تیاری مکمل کر کے ہم مدینہ منورہ سے مکہ مکرمہ جانے کے لئے روانہ

ہوئے۔اس بار اچھی سروس والی بس کی بجائے ہمیں ایک نکمی سی گاڑی میں سفر کرنا پڑا۔ہم پنا سامان اٹھائے بس اسٹینڈ کو ڈھونڈ رہے تھے کہ بس اسٹینڈ کی طرف رہنمائی کرنے والے ایک صاحب نے اس بس کی نشاندہی کر کے اسی پر سوار کرا دیا۔ یہ بس لب سڑک کھڑی تھی۔جیسے ہمارے ملک میں فلائنگ کوچ کے نام پر کھڑکھڑاتی ہوئی بسیں چلائی جاتی ہیں یہ بھی کچھ اسی قسم کی گاڑی تھی۔اس گاڑی میں سرگودھا کے (غالباً چک ۵۲ کے) تین باپ بیٹے بھی موجود تھے۔ مولوی قسم کی چیز لگتے تھے۔ساڑھے بارہ بجے تک ان میں سے کسی ایک نے مجھ سے صلاح کے انداز میں کہا نماز پڑھنے کے لئے گاڑی رکنی چاہیے۔میں نے کہا ڈرائیور خود ہی روکے گا۔اس کے باوجود مولوی صاحب کے ایک بیٹے نے ڈرائیور کو مخاطب کرتے ہوئے صلوٰت صلوٰت کی آواز بلند کی۔ جواب میں ڈرائیور نے عربی میں پتہ نہیں کیا کہا لیکن اس کے لہجے سے ایسے لگا جیسے کہہ رہا ہو کوئی مناسب جگہ آ جائے، میں گاڑی روک لوں گا...اسکے بعد بمشکل پندرہ بیس منٹ گذرے ہوں گے۔ بیک مرر میں دیکھا تو ڈرائیور کو بار بار اونگھ آ رہی تھی۔میں نے اردو میں شور مچا دیا۔اے میاں ڈرائیور!ہوش میں آؤ....تینوں پاکستانیوں کو تو میری بات سمجھ میں آ گئی لیکن باقی سارے مسافر حیران تھے کہ اسے بیٹھے بٹھائے کیا ہو گیا ہے.... ڈرائیور بھی وقتی اونگھ سے ہوش میں آ گیا تھا لیکن اسے بھی سمجھ نہیں آئی کہ میں نے شور کیوں مچایا تھا۔آخر ظہر کی نماز کے وقت فجر کی اذان سے مخصوص الفاظ کام آئے۔میں نے ڈرائیور کی طرف اشارہ کر کے کہا **الصلوٰة خیر من النوم** (نماز نیند سے بہتر ہے) سارے مسافر یہ سن کر ہنس پڑے اور ڈرائیور کے چہرے پر بھی ہلکی سی مسکراہٹ آ گئی۔مزید فائدہ یہ ہوا کہ اب باقی مسافروں نے بھی ڈرائیور کو یہ سمجھانا شروع کر دیا تھا کہ واقعی نماز نیند سے بہتر ہے لہٰذا اب کسی مناسب جگہ پر گاڑی روک لے۔
ڈرائیور نے ایک نہایت گھٹیا اور مہنگے ہوٹل کے سامنے گاڑی روکی۔ہم نے تو ہوٹل کی حالت دیکھ کر ہی کھانا کھانے کا ارادہ ختم کر دیا۔بعد میں سرگودھوی بھائیوں نے بتایا کہ ہوٹل جتنا گھٹیا ہے اتنا مہنگا بھی ہے۔

☆☆☆

ساتواں عمرہ

پانچ بجے تک ہم لوگ مکہ شریف میں اپنے پہلے والے ہوٹل پہنچے۔کمرہ لیا، کھانا کھایا۔تکلیف وہ سفر کے باعث مبارکہ کی طبیعت خراب سی ہو رہی تھی اس لئے میں نے اسے آرام کرنے کا مشورہ دیا اور خود نماز مغرب ادا کرنے کے لئے حرم شریف چلا آیا۔اس بار میں ''باب الملک فہد'' سے سیدھا اندر جا کر، مطاف سے باہر، کعبہ کے سامنے بائیں ہاتھ بیٹھا تھا میرے سامنے رکن یمانی اور رکن شامی کی پوری دیوار تھی۔بائیں طرف میزاب الرحمت اور حطیم تھا۔
مدینہ شریف سے مکہ آتے ہوئے ہماری بس ایک جگہ رُکی تھی۔ یہ مدینہ کی طرف سے مکہ آتے ہوئے میقات تھی۔مسجد کا نام تو اب یاد نہیں رہا۔ہم نے وہیں غسل کر لیا تھا۔میں نے احرام بھی وہیں باندھ لیا تھا۔سو اب مسجد عائشہ جا کر غسل کرنے کی ضرورت نہ تھی۔عشاء کے وقت مبارکہ اور میں ایک ساتھ حرم شریف میں حاضر ہوئے۔نماز عشاء کے بعد ہم نے اپنے اس بابرکت سفر کے ساتویں اور آخری عمرہ کے لئے طواف کعبہ سے آغاز کیا۔قرآن مجید میں سات آسمانوں اور سات زمینوں کا ذکر ملتا ہے۔ہفتے میں سات دن ہوتے ہیں۔عمرہ میں خانہ کعبہ کے طواف کے سات پھیرے ہوتے ہیں صفا و مروہ کے درمیان سعی کے بھی سات چکر ہوتے ہیں۔
ہم جو پانچ بچوں کے ماں، باپ ہیں، ہمارا اپنا خاندان سات افراد پر مشتمل ہے اور یہ ہمارا ساتواں عمرہ ہے....کبھی کبھی ہندسوں کے کھیل میں عجیب اور دلچسپ صورتحال بن جاتی ہے۔
حجر اسود پر بوسہ دینے والوں کا رش سب سے زیادہ ہوتا ہے لیکن چونکہ وہاں سرکاری اہلکار کسی کو دیر تک رہنے نہیں دیتے بس بوسہ دیجئے اور جگہ چھوڑ دیئے۔اس

لئے بے حد رش اور دھکم پیل کے باوجود وہاں تک پہنچنے میں کامیابی مل جاتی ہے۔اس کے برعکس درِ کعبہ (ملتزم شریف) پر رش تو حجرِ اسود کے مقابلہ میں کم ہوتا ہے لیکن وہاں جو کعبہ کی چوکھٹ سے لپٹ گئے۔سو لپٹ گئے۔ پھر وہ اپنی مرضی سے ہی پیچھے آتے ہیں۔اسی وجہ سے کعبہ کی چوکھٹ تک شرف باریابی پانا، حجرِ اسود تک رسائی پانے سے زیادہ مشکل تھا۔ پہلے چھ عمرے میں نے اس طرح کئے تھے کہ طوافِ کعبہ کے اختتام پر چوکھٹ سے تھوڑے فاصلہ پر کھڑے ہو کر مخصوص دعائیں بھی پڑھ لیتا تھا اور اپنی زبان میں دعائیں بھی کر لیتا تھا۔ وہاں پر نوافل کی ادائیگی کی توفیق بھی مل چکی تھی۔سو مبارکہ کو اندازہ تھا کہ طواف کعبہ کے اختتام کے بعد ملتزم شریف پر مجھے دعاؤں میں کتنی دیر لگتی ہے اور مقام ابراہیم پر کتنا وقت لگتا ہے، پھر وہ مجھے مقام ابراہیم کے قریب ہی مل جایا کرتی تھی۔لیکن اس بار تو معاملہ ہی کچھ اور ہو گیا۔ میں حسبِ سابق ملتزم شریف کے سامنے جا کر کھڑا ہوا کہ یہاں سے دعائیں پڑھنا شروع کرتا ہوں۔مخصوص دعائیں مکمل کرتے ہی ایسے لگا جیسے رش کے باوجود میرے لئے خود بخود رستہ بن گیا ہے اور کسی نے مجھے پیچھے سے، کندھے سے پکڑ کر کعبہ شریف کے دروازے کی چوکھٹ پر پہنچا دیا ہے۔

جسے چاہا در پہ بلا لیا، جسے چاہا اپنا بنا لیا

بس پھر میری کھلی ہوئی بانہیں اور جھکا ہوا سر تھا اور اُس کا در تھا۔ دروازے کی چوکھٹ کے درمیانے حصے میں (غالباً سونے کا) ایک سنہری گول دائرہ سا لگا ہوا تھا۔ میں چوکھٹ تک کیا پہنچا تھا، میرے لئے تو گویا درِ کعبہ ہی وا ہو گیا تھا۔ اب تک کی ساری دعائیں، تمنائیں، التجائیں ایک بار پھر بیان کر دیں۔ میرے لئے تو یہ پل بھر تھا مگر مبارکہ اُدھر مقام ابراہیم کے پاس سرگرداں تھی میری غیر موجودگی سے اس کی گھبراہٹ اور پریشانی بڑھتی جا رہی تھی۔ جب میں ملتزم شریف کے بعد مقام ابراہیم کے قریب پہنچا تو مبارکہ نے مجھے دور سے دیکھ لیا اور اس کی جان میں جان آئی۔مقام ابراہیم پر میں نے دو نفل ادا کئے۔مخصوص دعائیں پڑھیں۔ پھر بئر زم زم پینے بیٹھا لیکن مجھے تو ویسے ہی کعبہ کی چوکھٹ کا نشہ چڑھا ہوا تھا۔ یہاں مبارکہ بھی آ گئی تھی۔ہم دونوں نے حجرِ اسود کے سامنے آ کر اسے دور سے بوسہ دیا اور ''الصفا'' کے رستے سے گذر کر صفا اور مروہ

کے درمیان سعی کے لئے جانے لگے۔ جاتے جاتے میں نے پلٹ کر دیکھا میرے دائیں ہاتھ آبِ زم زم، سامنے مقام ابراہیم، حطیم کا ایک حصہ، رکن عراقی، ملتزم، حجرِ اسود، رکن یمانی۔۔۔ سب میرے سامنے تھے۔صرف میزاب الرحمت، رُکن شامی اور اُدھر کی دو دیواریں نظر سے اوجھل تھیں۔ میں تھوڑی دیر کے لئے اس نظارے میں کھو سا گیا۔سعی کے دوران جی بھر کے دعائیں کیں، خدا کا شکر ادا کیا....عمرہ مکمل کرنے کے بعد ہم مارکیٹ کی طرف نکل گئے۔ جرمنی میں بچوں کو ٹیلی فون کر کے پھر اطلاع دی کہ ہم انشاء اللہ کل ۱۱؍دسمبر کو جدہ سے روانہ ہو کر ۱۲؍دسمبر کی صبح فرینکفرٹ پہنچ جائیں گے۔اس کے بعد اپنے کمرے میں آ گئے۔۱۰؍دسمبر کا دن گذر چکا تھا کل ۱۱؍دسمبر کی شام سے پہلے ہم یہاں سے جا چکے ہوں گے۔ یہی خیال کرتے ہوئے نیند آ گئی۔

☆☆☆

مکہ مکرمہ میں آخری دن اور جرمنی واپسی

اگلے دن تہجد کی اذان ہونے سے پہلے ہی میں بیدار ہوکر تیار ہوگیا تھا۔مبارکہ کو جگایا۔ اس کے تیار ہونے تک تہجد کی اذان شروع ہوگئی۔ ہم اللہ تعالیٰ کی تسبیح وتحمید کرتے ہوئے حرم شریف کی طرف روانہ ہوئے۔''باب الملک فہد'' سے گذر کر خانہ کعبہ کے سامنے کی صفوں میں تھوڑا سا بائیں جانب ہوکر مجھے بیٹھنے کا موقعہ ملا۔کل رات ''الصفا'' سے گذرتے ہوئے میں نے پلٹ کر جو منظر دیکھا تھا،اسکے عقب میں چھپا ہوا منظر اب میرے سامنے تھا۔رُکن یمانی اور رُکن شامی کے درمیان کی دیوار، میزاب الرحمت اور پورا حطیم ....میں نماز تہجد کے بعد قرآن شریف پڑھنے لگا۔پھر دیدارِکعبہ میں مشغول ہوگیا۔فجر کی اذان ہوئی تو سنّتیں ادا کرنے کے بعد پھر تسبیح وتحمید کے ساتھ کعبہ کا دیدار کرنے لگا۔ فرض نماز ادا کرنے کے بعد ہم اپنے کمرے میں آگئے۔ناشتہ کیا اور سو گئے....گیارہ بجے کے قریب آنکھ کھلی تو اٹھ کر سامان پیک کیا اور اسے ہوٹل کے امانت خانے میں رکھوادیا۔ پھر میں بئرِ زمزم لینے چلا گیا۔١٠ لٹر کا برتن بھر کر لایا اور اسے بھی ہوٹل کے کاؤنٹر پر رکھوادیا۔ظہر کا وقت ہونے والا تھا سو ہم دونوں حرم شریف آگئے۔''باب الملک فہد'' سے گذر کر کعبہ کے سامنے جگہ حاصل کی۔اس بار غلافِ کعبہ پر نظریں مرتکز کیں۔کالے غلاف پر کالے حروف کے ابھار سے ہی پورے غلاف پر ہر جگہ کلمہ شریف تحریر تھا۔

لا اله الا الله محمد الرسول الله......لیکن چونکہ یہ تحریر معمولی سے ابھار کے ساتھ تھی اس لیے عام نظر سے دیکھیں تو یہ پتہ ہی نہیں چلتا کہ غلافِ کعبہ پر جگہ جگہ کلمہ شریف تحریر ہے۔اوپر بنیرے سے چند فٹ نیچے، ایک چوڑی سنہری پٹی ہے جو کعبہ کی چاروں دیواروں تک

مسلسل تھی۔اس پٹی میں قرآنی آیات ابھری ہوئی ہیں۔اس پٹی سے تھوڑا نیچے، ہر دیوار پر دو مستطیل سنہری پٹیاں ہیں اور ان کے دائیں، بائیں اور درمیان میں تین مختصر سی سنہری پٹیاں ہیں جن پر آیات اور بعض صفاتِ باری درج ہیں۔مختصر سی پٹیوں کو بالی نما خوبصورت ڈیزائن بھی کہا جاسکتا ہے۔کعبہ شریف کی ہر دیوار کے کونے پر ایک چوکور مربع سنہری پٹی بنی ہوئی ہے جو دونوں منسلک دیواروں کو تھوڑا تھوڑا اچ کرتی ہیں۔

نماز ظہر کے بعد ہم نے اپنے بچے کھچے سامان کو بھی سمیٹا،تھوڑی سی نیند کی۔ بیداری کے بعد باقی سارا سامان بھی امانت خانے میں رکھوادیا۔کمرے کی چابی کاؤنٹر پر جمع کرائی کیونکہ ہمارے یہاں قیام کا مقررہ وقت پورا ہوچکا تھا چنانچہ ہم نے کمرہ چھوڑ دیا۔عصر کی نماز کا وقت ہونے والا تھا۔سو حرم شریف چلے گئے۔نماز عصر ادا کرنے کے بعد مارکیٹ کی طرف چلے گئے۔یہاں اس سفر کی سب سے کم خرچ والی خریداری کی۔''ہر مال ملے گا ٢ ریال میں'' والے سے مزید رعائت کرا کے ۵٠ ریال کا چھوٹا چھوٹا سامان خریدا۔پھر حرم شریف میں آگئے۔ایسا کوئی سامان حرم شریف میں اندر لے جانے کی اجازت نہیں ہوتی۔''باب الفتح'' کے سرکاری اہل کار نے مہربانی کی۔ہمارا سامان اپنے پاس رکھ لیا۔

اب درِ کعبہ میرے سامنے تھا۔کعبہ کی باقی تین دیواروں پر بنی ہوئی پٹیوں کی ترتیب ایک جیسی ہے لیکن درِکعبہ کی وجہ سے یہاں دو مستطیل پٹیوں کی جگہ صرف ایک مستطیل پٹی ہے البتہ بالی نما ڈیزائن یہاں بھی تین ہی ہیں۔درِکعبہ پر ایک دیدہ زیب سنہری سی چلمن آویزاں ہے۔اس پر قرآنی آیات درج ہیں۔یہ چلمن بیچ میں سے تھوڑی دائیں جانب اور تھوڑی سی بائیں جانب ہٹی ہوئی ہے۔''صاف چھُپتے بھی نہیں سامنے آتے بھی نہیں'' جیسی چلمن....یہاں مغرب سے پہلے آدھ گھنٹہ تک دیدار کعبہ کی سعادت نصیب ہوئی۔مغرب کے بعد ہم لوگ ایک ہوٹل میں گئے۔وہاں کھانا کھایا، پھر تھوڑی سی چہل قدمی کی....حرم شریف میں آنے والوں کے لئے بنائے گئے باتھ روم میں گئے۔وضو کیا اور حرم شریف کے اندر چلے گئے۔''باب الفتح'' کے سرکاری اہل کار نے اس بار پھر کمال مہربانی اور خندہ پیشانی سے ہمارا سامان رکھ لیا۔اب پھر وہی کعبہ کا ملتزم

شریف تھااور ہم تھے.....نماز عشاء ادا کی....کعبہ کاالوداعی دیدار کیااور پھر اپنے ہوٹل میں چلے گئے۔وہاں جا کر مبارکہ نے امانت خانے سے سامان نکلوایااور میں ٹیکسی والے کولے آیا....اب ہم جدّہ کی طرف جارہے تھے۔رات پونے دس بجے تک ہم جدہ ائیر پورٹ پر پہنچ گئے۔۱۰ بجے تک سامان بُک کرادیا۔ہماری فلائیٹ رات ایک بجے کی تھی۔سوگذرے ہوئے بابرکت دنوں کواور ان دنوں کے مناظراور واقعات کویادکرنے لگے....ایسے واقعات جوہوکر گذر بھی چکے تھے لیکن جدہ ائیر پورٹ پر ہی خواب جیسے لگنے لگے تھے۔

جہاز اڑنے لگاتو مبارکہ کی طبیعت پھر بگڑنے لگی۔پچھلی بار تو بھوک لگنے کا مسئلہ تھالیکن اس بار تو بھوک بالکل ہی نہیں تھی۔مبارکہ نے ''السعودیہ'' والوں کا کھانا بھی نہیں کھایا۔صرف جوس پر گذارا کیا۔جہاز میں بہت سارے گورے سوار تھے۔یہ سب کے سب روم میں اترنے والے تھے۔۲۵ردسمبر کو کرسمس منانے کے لئے ابھی سے ویٹی کن سٹی کے لئے جانا شروع ہوگئے تھے۔ہمارا جہاز روم کے ایئرپورٹ پر ایک گھنٹے کے لئے رُکا اور پھر ہم فرینکفرٹ پہنچ گئے۔ایئرپورٹ کے مراحل سے گذر کر بخیر وخوبی باہر آئے۔ٹیکسی لی اور پندرہ منٹ کے بعد ہم اپنے گھر، اپنے بچوں کے پاس پہنچ گئے۔

فالحمدلله علیٰ ذلك۔

میں نے کعبہ شریف اور مسجد نبویؐ میں بار بار اپنے اباجی، امی جی، داداجی، دادی جی، ناناجی، نانی جی، پرداداجی، پردادی جی، باباجی، ممانی مجیدہ، ماموں ناصر، اپنے پانچوں بچوں، چاروں بھائیوں اور چاروں بہنوں اور ان کی اولادوں کے لئے نام بنام دعائیں کیں۔ان تمام قریبی رشتہ داروں عزیزوں اور دوستوں کے لئے دعائیں کیں جنہوں نے ہمارے عمرہ پر جانے کی خبرسن کرخوشی کااظہار کیا تھااور محبت کے ساتھ دعا کے لئے کہا تھا۔سچی بات یہ ہے کہ ایسے لوگوں کے لئے میں نے دعائیں کی ہی نہیں،وہ تو خود بخود دل سے نکلتی رہیں۔حضرت ابراہیم علیہ السلام، حضرت بی بی ہاجرہ،حضرت اسماعیل علیہ السلام اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے میں گناہ گار کیا دعا کرتا۔ان کے نیک اور عظیم نقشِ قدم پر چلنے کی ہمت اور توفیق مانگتا رہا۔اپنے لئے اور

مبارکہ کے لئے دعائیں کیں۔کچھ بہت ہی پیارے لوگوں کے لئے دعائیں کی۔

گھر واپس آجانے کے بعد صبح کے وقت معمول کے مطابق قرآن شریف کی تلاوت کرتے ہوئے ایک دن سورۃ الحج کی ایک آیت میں **بِئْرٍ مُّعَطَّلَةٍ** کے الفاظ پڑھے تو میں رُک گیا....پھر اُردو ترجمہ والے قرآن مجید میں بئر کا مطلب دیکھا تو معلوم ہوا کنویں کو عربی میں بئر کہتے ہیں۔خانہ کعبہ میں اپنی بےخبری کے باعث میں ''بئر زم زم'' کو''زم زم کا کنواں'' سمجھنے کی بجائے شراباً طہوراً جیسی بئر سمجھ کر تھوڑی سی شوخی اور تھوڑے سے سرور کا مزہ لیتا رہا۔اب اصل مطلب واضح ہو چکا ہے لیکن اُس بےخبری کا مزہ اب بھی اپنی جگہ موجود ہے۔

جرمنی میں جتنے عزیز اور دوست ملنے کے لئے آئے۔مکہ مدینہ کے حالات پوچھتے،عمرہ کا طریق کار معلوم کرتے۔ہمارے احوال سن کر ایسے لگتا تھا جیسے انہیں.....،انہیں تو جیسے لگتا تھا سو لگتا تھا۔خود مجھے ایسے لگتا تھا جیسے میں وہاں کے احوال نہیں سنا رہا پھر سے وہاں کی زیارتیں کر رہا ہوں،طواف کر رہا ہوں،سعی کر رہا ہوں،روضۂ رسولؐ پر حاضری دے رہا ہوں، مقامات مقدسہ کی زیارتیں کر رہا ہوں،نوافل پڑھ رہا ہوں،دیدار کعبہ کر رہا ہوں......

اوراب کہ وہاں کی یہ رُوداد مکمل کی ہے تو اس وقت اپنے دل،اپنی رُوح اور اپنے ذہن کی کیفیات،اپنے پورے وجود کی حالت کو میں بیان ہی نہیں کرسکتا۔

''اے اللہ!میرے اس سفر کو اپنے گھر کا آخری سفر مت بنا۔اور بنا دیا تو اس کے بدلے میں جنت عطا فرما۔ہم سب اپنے رب کی طرف رجوع کرتے ہیں،توبہ کرتے ہیں،اسی کی عبادت اور تعریف کرتے ہیں اور اس کی رحمت کے طلب گار ہیں۔اللہ تعالیٰ نے اپنا وعدہ پورا کیا اور اپنے بندہ کی مدد کی اور لشکرِ کفار کو تنہا شکست دی۔گناہوں سے بچنے اور نیکی کی قوت اللہ بزرگ و برتر ہی کی طرف سے ہے''۔۔۔۔۔۔۔۔(طوافِ وداع کی مخصوص دعا کا ترجمہ)

☆☆☆

کعبہ شریف سے متعلق چند ماہیے

عاشق ، محبوب ہوا
کھیل انوکھا تھا
جاذب ، مجذوب ہوا

کس نُور کا درشن تھا
سامنا ہوتے ہی
روشن مرا تن من تھا

کثرت کی زبانی ہیں
کعبہ کی دیواریں
وحدت کی نشانی ہیں

پوچھو نہ مزہ ہم سے
پیاس بجھائی تھی
جب بئرِ زم زم سے

لطف آ گیا جینے میں
نوُر مناظر کا
جب بھر گیا سینے میں

قربت میں کمال ہوا
ناز قبول اور عجز
بلند اقبال ہوا

جو یار سے دُور ہوا
عجز، ریا اس کا
اور ناز ، غرور ہوا

☆☆☆

نعت شریف

اٹھ کر بیٹھ گئے جب آدھی رات ہوئی　　پھر محرابِ تہجد میں ہر بات ہوئی
بنجر دل میں اُگتی یہ ہریالی سی　　مجھ کو گنبدِ خضرا کی سوغات ہوئی
روضے کی جالی کے سامنے کیا آیا　　سامنے میرے ساری کائنات ہوئی
رُوح کا صحرا یوں نکھرا کہ چمک اُٹھا　　نُورِ محمدؐ کی ایسی برسات ہوئی
جانے وہ اک کیسا انوکھا لمحہ تھا　　جب ہم جیسوں سے بھی نفیٔ ذات ہوئی
ہم سے گمراہوں کی بخشش کا باعث　　صرف انہیں کی ذاتِ بابرکات ہوئی
ٹاٹ ایسا دل مخمل جیسا کر لائے　　مسجد نبوی میں اک ایسی بات ہوئی
کملی والےؐ سے اک نسبت کے صدقے　　جیت میں ڈھل گئی جب بھی اپنی مات ہوئی

حیدؔر اپنے ٹوٹے پھوٹے لفظوں سے
نعت کہی تو ہے لیکن کب نعت ہوئی!

سفرِ حج

(سال ۲۰۰۳ء)

حال دھمال سے تن من روشن، روشن ہوگئی جان
جگمگ کر اٹھی ہو جیسے ایک اندھیری گور

دسمبر ۱۹۹۶ء میں عمرہ کی سعادت حاصل کرنے کے بعد سے دل میں یہ خواہش تھی کہ ارضِ حجاز میں پھر سے حاضری دی جائے۔مسئلہ یہ تھا کہ ایک بار عمرہ سے ہو آنے کے بعد دوبارہ عمرہ کے لئے جانے سے پہلے حج کرنا ضروری تھا۔حج کے بعد پھر جتنی بار چاہیں عمرہ کے لئے جا سکتے ہیں۔۲۰۰۳ء میں حج کے لئے جانے کا ارادہ کر لیا تھا۔اس کے لئے عمرہ جتنی رقم بھی بچا لی تھی۔لیکن جب جانے کا وقت قریب آیا اور حج کے جملہ اخراجات کی تفصیل معلوم کی تو پتہ چلا کہ جتنی رقم کے ساتھ ہم عمرہ کر آئے ہیں اس سے دوگنی رقم بھی حج کے لئے کم ہے۔اپنی مالی حیثیت دیکھتے ہوئے چُپ کر کے بیٹھ گئے۔

اسی دوران پہلے بڑے بیٹے اور بہو (شعیب اور تسنیم) نے اپنی طرف سے ایک پیش کش کی۔پھر دوسرے بیٹے اور بہو (عثمان اور نادیہ) نے ساتھ دیا۔دونوں بھائیوں کو دیکھتے ہوئے طارق نے بھی ہمت کی اور اپنی پاکٹ منی سے ہی اچھی خاصی رقم نکال دی۔تینوں بیٹوں کی طرف سے حج کرانے کی پیش کش سامنے آئی تو فرانس میں مقیم میرے سب سے چھوٹے بھائی اعجاز کو بھی جوش آ گیا۔چنانچہ اس نے بھی اس کارِ خیر میں خاطر خواہ حصہ ڈال لیا۔اعجاز کی وجہ سے ۱۹۹۵ء میں ہم نے اپنا عمرہ موخر کر دیا تھا اور اب حج پر جانے کی توفیق ملنے لگی تھی تو اس میں اعجاز کا بھی خاطر خواہ حصہ شامل تھا۔اللہ تعالیٰ تینوں بیٹوں، دونوں بہوؤں اور بھائی کو جزائے خیر دے۔آمین

رقم کا مسئلہ بڑی حد تک حل ہو گیا تو آخری مرحلہ میں فرینکفرٹ میں سعودی عرب کے منظور شدہ ادارہ ''فہد عمرہ سروس'' سے رابطہ کیا۔انہوں نے کاغذی کاروائی مکمل کر لی تو پاسپورٹ ان کے حوالے کر کے آ گئے۔یکم فروری کو ان کی طرف سے ٹیلیفون آیا کہ ویزہ اور ٹکٹ لے جائیں۔ہمیں بتایا گیا کہ فہد عمرہ سروس کا ایک بندہ ہمیں وہاں سے لے لے گا۔ہمیں فہد سروس

والوں کا سعودی عرب کا ٹیلی فون نمبر بھی دیا گیا کہ کسی مسئلہ کی صورت میں ان سے رابطہ کریں۔وہ تاریخی نمبر یہ ہے: 055311846

۲؍فروری اتوار کے روز ساڑھے نو بجے کی حج فلائیٹ سے روانہ ہوئے۔۳؍فروری کو علی الصبح سعودی عرب کے وقت کے مطابق ۵ بجے جدہ پہنچے۔جدہ ائر پورٹ پر بدانتظامی کی انتہا تھی۔بے شک حج کے ایام میں رش بہت زیادہ ہو جانے کی وجہ سے بہت سے مسائل پیدا ہوتے ہیں اور کہیں نہ کہیں کوئی انتظامی کوتاہی رہ جاتی ہے۔لیکن یہاں تو دیدہ دانستہ بدانتظامی کے مناظر تھے۔میں اس سفر کی روداد کے آخر میں سعودی انتظامیہ کے لئے ایک دو مشورے لکھوں گا۔اگر ان پر غور کر کے عملدر آمد کی کوئی صورت نکل آئے تو اچھی بات ہو گی۔

جدہ ائر پورٹ سے باہر نکلنے تک افراتفری، بدنظمی کے کئی مرحلوں سے گزرے۔باہر آئے تو ہمارا سامان ایک بڑے ٹرالے پر لاد کر کسی انجان سمت لے جایا جانے لگا۔پھر ایک ٹرمینل پر لے جا کر سارا سامان ڈھیر کر دیا گیا۔دراصل حج کے سلسلہ میں سعودی حکومت نے گروپ کی صورت میں آنے والوں کو ترجیح دے رکھی ہے جو حکومت کے لئے خاصا منفعت بخش کاروبار بن چکا ہے۔انفرادی اور ذاتی طور پر آنے والوں کی حوصلہ شکنی کا بطور خاص انتظام کر رکھا ہے تاکہ لوگ صرف حج گروپس کی صورت میں آئیں اور سعودی حکومت کے خزانے میں اضافہ کا موجب بنیں۔آگے چل کر پوری طرح اس بات کی تصدیق ہوتی گئی کہ ایک دینی فریضہ کی ادائیگی کو ''خادمین الحرمین الشریفین'' کی قائم کردہ وزارت حج کی جانب سے باقاعدہ کمرشیلائز کر دیا گیا ہے۔

میں نے ''فہد عمرہ سروس'' کے بندے سے مذکورہ بالا فون نمبر پر بات کی وہاں سے ایک اور نمبر دے دیا گیا۔اس نمبر پر رابطہ کیا تو کہا گیا کہ میں دو گھنٹے میں پہنچتا ہوں۔پھر کئی گھنٹے گزر گئے۔پریشان ہو کر میں نے ایک پاکستانی کو ڈھونڈا۔ان کی مدد سے وزارت حج کے ایک افسر کے دفتر میں گئے۔موصوف بڑی شائستگی سے پیش آئے۔ان کو فہد سروس کا فون نمبر دیا تو انہوں نے اپنے موبائل فون سے ان سے رابطہ کیا اور انہیں فوراً اپنے دفتر میں طلب کیا۔پھر ہمیں بتایا کہ وہ

بس آنے والا ہے اور ہمیں لے کر دفتر سے باہر آ گئے۔ایک جگہ ہمیں رکنے کے لئے کہا اور پھر خود بھی غائب ہو گئے۔جس پاکستانی دوست کے ذریعے وزارت حج کے اس ''عظیم افسر'' سے رابطہ کیا ان کا نام رضاء اللہ خالدی تھا۔

وہاں سے واپس اس ٹرمینل تک آئے جہاں ہمارا سب کا سامان ڈھیر تھا،تو دیکھا کہ مبارکہ اکیلی کھڑی رو رہی ہے۔سارا سامان غائب ہے۔پتہ چلا کہ وہ ٹرمینل کے ساتھ منسلک باتھ روم تک گئی ہے اور تین منٹ کے اندر سارا سامان غائب ہو گیا ہے۔وہاں گروپ حج والے بھی موجود تھے۔وہ جانے لگے تو ان کے سامان کے ساتھ ہمارا سامان بھی چلا گیا۔یہ گروپ والوں میں سے کسی کی بدنیتی تھی یا سعودی انتظامیہ کی بدانتظامی تھی،خدا ہی بہتر جانتا ہے۔

دو بھرے ہوئے اٹیچی کیس اور ایک بڑا بیگ، لے جانے والے سب کچھ ہی لے گئے۔اب فہد عمرہ سروس والوں کی سروس کا کیا کرتے،سامان کی فکر دامنگیر ہوئی۔تشویش والی سب سے اہم بات یہ تھی کہ بلڈ پریشر اور شوگر چیک کرنے والے ہمارے سارے آلات بھی اس سامان میں تھے اور ہماری بیماریوں کی دوائیں بھی اس سامان میں تھیں۔میرا مسئلہ شوگر کی ایک گولی تک تھا لیکن مبارکہ کو بیک وقت سات آٹھ گولیاں دن میں دو تین بار لینا ہوتی ہیں۔اور ہر گولی بہت ضروری ہوتی ہے۔سارا سامان غائب ہونے کے باوجود یہ بھی خدا کا شکر ہے کہ مبارکہ کا پرس اس کے کندھوں پر تھا۔پرس میں ہماری ساری سفری دستاویزات اور ایک معقول رقم موجود تھی۔اسی لئے مجھے سامان کی اتنی فکر نہیں تھی البتہ دواؤں کے سلسلے میں پریشانی ضرور تھی کہ کیا بنے گا۔

رضاء اللہ خالدی صاحب اس وقت اپنی ڈیوٹی پر تھے پھر بھی انہوں نے ''حج سروس آفس'' تک میری رہنمائی کی۔وہاں پہلے تو ایک سے بڑھ کر ایک ''بدو'' سے واسطہ پڑا،جو عربی کے علاوہ کسی زبان میں بات نہیں کر سکتے۔لیکن آخر ڈاکٹر غازی غورب تک پہنچے تو قدرے تسلی ہوئی کہ جس سے بات کی جا رہی ہے وہ بات کو سن رہا ہے،سمجھ رہا ہے اور اپنی بساط کے مطابق کچھ کر بھی سکتا ہے۔انہوں نے ہمارے تینوں اٹیچی کیس اور بیگ کی تفصیل مخصوص فارم پر لکھ لی اور اپنا فون

نمبر بھی ہمیں دے دیا۔(02-68 58 328)

صبح پانچ بجے جدہ ائر پورٹ پر
پہنچنے کے بعد سے لے کر اگلے پندرہ گھنٹے تک ہم مسلسل ائر پورٹ پر خوار ہوتے رہے۔اس خواری کی وجہ یہی تھی کہ ہم حج گروپ کے ساتھ نہیں تھے اور ذاتی طور پر آنے والوں کو جان بوجھ کر خوار کیا جا رہا تھا۔ہر طرف سے پریشانیوں کا سامنا کرنے کے بعد آخر بغیر سامان کے مکہ میں اپنے مقررہ ہوٹل تک پہنچے۔پندرہ گھنٹے سے زائد کی پریشانی،تھکن اور کوفت کے باوجود ہوٹل میں اپنا کمرہ سنبھالنے کے بعد سیدھا خانہ کعبہ کی زیارت کے لئے حرم شریف روانہ ہو گئے۔حرم شریف پر نظر پڑتے ہی ایسے لگا جیسے ساری تکالیف کی قیمت وصول ہو گئی ہو۔

۴،**فروری (۳ ذی الحجہ)** کو ہم نے فجر کی نماز کے بعد پہلے ناشتہ کیا۔پھر ہوٹل میں جا کر آرام کیا۔ظہر کی نماز حرم شریف میں ادا کی۔پھر کچھ خریداری کرنے نکلے۔وہاں پاکستانی طرز کے لباس نہیں مل رہے تھے۔مجبوراً عربی ملبوسات پر گزارا کرنا پڑا۔واپس آ کر جب ہم دونوں نے عربی لباس پہن کر انہیں چیک کرنا چاہا تو عربی لباس میں ملبوس ایک دوسرے کو دیکھ کر ہنسنے لگے۔میں تو ہنستا ہی رہا لیکن ہنستے ہنستے مبارکہ کی آنکھوں میں نمی سی آ گئی۔اسے سامان کی گمشدگی کا بہت دکھ تھا۔میں نے اسے تسلی دی کہ پرانے زمانے میں لوگ بہت تکالیف اور دکھ اٹھا کر مکہ پہنچ پاتے تھے۔سو طرح کی بیماریوں سے گزرتے ہوئے،دوران سفر ہی ان کے قافلے کئی مصائب میں مبتلا ہوتے۔خود عرب بدوان کے قافلوں کو لوٹ لیا کرتے تھے۔ہم ہوائی جہاز سے بڑے آرام سے آئے ہیں۔صرف سامان غائب ہوا ہے تو یہی سمجھ لیں کسی عرب بدو نے لوٹ لیا ہے۔اگر وہ سارا سامان موجود ہوتا لیکن صرف آپ کا پرس گم ہو جاتا تو ہم کتنی بری حالت میں ہوتے؟اس پرس میں اتنی رقم ہے کہ ہم ویسے ہی تین بیگ اور ویسے ہی سامان سے دوگنا سامان آسانی سے خرید سکتے ہیں۔

۴ فروری کو خانہ کعبہ کی زیارت کی تو منظر بہت بدلا بدلا سا لگا۔غلافِ کعبہ کو اس کے اصل مقام سے شاید اندازاً ڈیڑھ دو میٹر اونچا کر دیا گیا تھا اور اس کے نیچے سفید لٹھا قسم کا کپڑا اسلائی کر دیا

گیا تھا۔ یہ صورت دیکھ کر دل کو دھچکا سا لگا۔ کعبہ شریف غلاف میں اس ردو بدل کے باعث پھیکا پھیکا سا لگ رہا تھا۔ حطیم کی روشنی بھی بجھی بجھی سی تھی۔ پتہ نہیں یہ عالمی صورتحال پر خانہ کعبہ کی اداسی کا منظر تھا یا ویسے ہی میرے اپنے اندر کی اداسی تھی۔ ویسے یہ بات مجھے سمجھ آگئی تھی کہ بہت زیادہ عقیدت مند حجاج، حج کے رش سے فائدہ اٹھا کر غلافِ کعبہ کے ٹکڑے قینچی سے کاٹ کر گھروں میں تبرک کے طور پر لے جاتے رہے ہیں (چوری کیا ہوا تبرک؟)۔ غالباً اسی وجہ سے حکومت نے حفاظتی تدبیر کے طور پر غلافِ کعبہ کو اونچا کر دیا تھا۔ یہ مناسب تدبیر تھی لیکن اس تبدیلی سے یوں لگتا تھا جیسے دل اور کعبہ دونوں ہی اداس ہیں۔

مغرب کی نماز کے بعد ہم حرم شریف سے نکل کر اپنے ہوٹل کی طرف جانے لگے تو مسلسل بڑھتے ہوئے رش میں پھنس گئے۔ حجاج کی آمد میں اضافہ ہوتا جا رہا تھا، سڑکوں پر کپڑا بچھا کر سامان بیچنے والے موجود، سڑک پر بے ترتیب ٹریفک کا ہجوم اور تنگ سڑکیں۔۔۔نماز کے بعد حرم شریف سے نکلنے والے حجاج کا ہجوم اتنا زیادہ تھا کہ ہم دونوں اس میں پھنس کر رہ گئے۔ میں مبارکہ کو سنبھالنے کی کوشش کر رہا تھا کہ پیچھے سے ایک تیز ریلا آیا جس میں ہم دونوں تنکے کی طرح بہہ نکلے۔ مبارکہ کی حالت اتنی غیر ہو گئی کہ شارع خالد بن ولید پر واقع ایک دوکان ''تسجیلات الاسلامیہ الخلفاء'' کے تھڑے پر کھڑے ایک صاحب نے پہلے مبارکہ کے چہرے پر پانی کے چھینٹے مارے اور پھر اسے کھینچ کر دوکان کے اندر کر لیا۔ میری بھی جان میں جان آئی۔ دوکان کے تھڑے پر چڑھے تو دیکھا وہاں پہلے سے ایسی چند اور خواتین بھی پناہ گزین تھیں اور بری طرح ہانپ رہی تھیں۔ دراصل اس ایریا کا ہمارا سابقہ تجربہ عمرہ کے عام دنوں کا تھا، ہمیں اندازہ ہی نہیں تھا کہ حج کے دنوں میں رش کی وجہ سے ایسی خوفناک صورتحال بھی پیش آ سکتی تھی۔ اس تجربہ کے بعد ہم نے یہ احتیاط شروع کر دی کہ نماز کے بعد لگ بھگ ایک گھنٹہ تک حرم شریف کے اندر ہی بیٹھے رہتے تا کہ رش کا زور ٹوٹ جائے۔

۵؍فروری (۴؍ذی الحجہ) کو حجاج کی آمد میں اضافہ ہوا تو نمازی سڑکوں سے بھی پرے تک پھیلنے لگے۔ ہم نے بھی رش کی یلغار میں آنے سے بچنے کے لئے حفاظتی

تدابیر میں اضافہ کر لیا۔ اس روز ہم دونوں نے عمرہ کیا۔

۶؍فروری (۵؍ذی الحجہ) کا دن گزشتہ دو دنوں کی طرح گزرا۔ تاہم ۶ اور ۷ **فروری** کی درمیانی رات ہم نے حرم شریف میں جاگ کر گزارنے کا ارادہ کیا۔ چنانچہ بفضلہٖ تعالیٰ صحنِ کعبہ میں بیٹھ کر شب بیداری کی توفیق بھی ملی اور نوافل کی ادائیگی اور تلاوت قرآن پاک کے ساتھ جی بھر کر دعائیں کرنے کی توفیق بھی ملی۔ طوافِ کعبہ کرنے والوں کے بڑھتے ہوئے ہجوم کے باوجود صحنِ کعبہ میں ہی رات گزارنے کی توفیق مل جانا بہت بڑی بات تھی۔ اس شب بیداری کا سب سے بڑا اجر دیدارِ کعبہ کی صورت میں ملتا رہا۔ سات فروری کا دن چڑھا تو نمازِ فجر کے بعد ہم لوگ صحنِ کعبہ سے اٹھ کر حرم شریف کے اس حصے میں آگئے جو باب الملک فہد والی سائڈ پر تھا۔ یہاں ہم نے ایسی جگہ حاصل کر لی جہاں سے خانہ کعبہ دکھائی دیتا رہتا۔ یہاں ہمیں دو ہلکے سے مسائل کا سامنا کرنا پڑا۔ ہم نے اپنی ضرورت کے مطابق جگہ سنبھال رکھی تھی۔ ایک بار مبارکہ باتھ روم تک گئی تو اس دوران متعدد افراد نے خالی جگہ پر قبضہ کرنے کی کوشش کی۔ بڑی مشکل سے ان سب سے جگہ بچائی۔ جب میں باتھ روم کے لئے گیا تو تب مبارکہ کو بھی یہی مشکل درپیش رہی۔

دوسرا مسئلہ صرف میرے لئے تھا۔ ہماری صف سے اگلی صف میں تین خواتین نے ڈیرے ڈالے ہوئے تھے۔ آبِ زم زم کے کولرز کے ساتھ بیٹھی ہوئی ان خواتین نے قرآن شریف پڑھنا شروع کر دیا۔ پھر انہوں نے ثواب کی غرض سے کولرز سے گلاسوں میں پانی بھر بھر کر وہیں سے آگے بڑھانا شروع کر دیئے۔ ان کے ثواب کمانے کی نیت نے مجھے بلاوجہ گنہگار کئے رکھا۔ ''ساقیانِ زم زم'' کو دیکھ کر دو تین حجاج کرام بھی ثواب کمانے کی غرض سے مستعد ہو کر کھڑے ہو گئے اور ان خواتین سے گلاس لے لے کر اگلی پچھلی صفوں تک پہنچانے لگ گئے۔ ساقیانِ زم زم کو دیکھ کر بعض حجاج کرام کو ویسے ہی پیاس لگنے لگ گئی۔ گلاس آگے پہنچانے والے ایک حاجی صاحب نے سرگوشی کرتے ہوئے مجھے بتایا کہ یہ خواتین مصر سے آئی ہیں۔ یہ سبحان اللہ اور استغفر اللہ ایک ساتھ پڑھنے کا نازک مقام تھا۔ قلوپطرہ مصری حسن کی مثال تھی تو یہ

خواتین بھی اس سے کم نہ تھیں۔ باقی ہر قوم میں بہت خوبصورت چہروں کی ایک مخصوص تعداد ہوا کرتی ہے۔ اوسط صورتیں وہی ہوتی ہیں جو ہم عام طور پر اپنے اردگرد اور آئینے میں دیکھتے رہتے ہیں۔

۸/**فروری** (۷/**ذی الحجہ**) کو ہم دونوں ''حی الہجرۃ'' علاقہ میں ''عمارت السجینی'' پہنچے۔ اس عمارت کی تلاش میں خاصا خوار ہونا پڑا۔ ان کے جاری کردہ ایڈریس پر ''الہجرۃ'' درج تھا۔ جبکہ مطلوبہ عمارت ''حی الہجرۃ'' علاقے میں تھی۔ بہرحال پہلے ہم کافی دیر تک ''الہجرۃ'' ایریا میں ''عمارت السجینی'' کو تلاش کرتے رہے۔ کافی خواری کے بعد اللہ کے ایک بندے نے رہنمائی کی تو ''حی الہجرۃ'' تک پہنچ پائے۔ وہاں مذکورہ عمارت کے دفتر میں گئے تو جان میں جان آئی۔ لیکن پھر جب انگلش جاننے والے عربی کارکنوں سے واسطہ پڑا تو یہاں بھی وہی شانِ بے نیازی تھی جو ائرپورٹ سے لے کر ہر جگہ تک عام طور پر حجاج کے ان خدمتگاروں کا رویہ بن گیا ہے۔ یہاں مجھے ابوجہل یاد آ گیا ہے۔ اس کی بدنصیبی تھی کہ سرورِ کائنات حضرت خاتم النبیین محمد مصطفیٰ ﷺ کو دیکھ کر بھی آپؐ کو قبول کرنے سے محروم رہا لیکن اس بدنصیب بلکہ بدبخت کو بھی اپنے زمانے میں حاجیوں کی خدمت کی بڑی توفیق ملتی رہی تھی۔ عربی روایات میں بڑی صراحت سے لکھا ہوا ہے کہ ابوجہل حاجیوں کی خدمت میں پیش پیش رہتا تھا۔ بہت بڑا سردار ہونے کے باوجود پانی کی مشک اپنے کندھوں پر ڈال کر حاجیوں کو پانی پلایا کرتا تھا۔۔۔۔ ایک وہ ایمان کی سعادت سے محروم بدبخت تھا اور دوسری طرف یہ ''ایمان کی دولت سے مالا مال'' عرب مومنین تھے جو کوئی سردار بھی نہ تھے، جن کی ڈیوٹی بھی حاجیوں کی پریشانیوں کو دور کرنا تھا لیکن یہ ''صاحبِ ایمان'' خدمتگار حاجیوں کو پریشان کر کے ان کی خدمت کر رہے تھے۔

کئی خدمتگاروں کے ہاتھوں خوار ہونے کے بعد ایک نوجوان امین نغاندی سے واسطہ پڑا۔ پہلے سارے کارکنوں سے بالکل مختلف۔۔۔ شائستہ، نرم رو اور بات کو سمجھ کر مسئلے کا ممکنہ حل نکالنے کی کوشش کرنے والا۔۔۔۔۔ اس نوجوان نے ہمارے ہر چھوٹے بڑے درپیش مسئلہ کو سنا، سمجھا اور پھر موقعہ پر ہی اس کا ممکنہ حل بھی نکال دیا۔ امین نغاندی سے ملنے کے بعد انتظامی اور

نقل و حمل کے امور سے متعلق ذہن سے بہت سا بوجھ اتر گیا۔ ہمیں رات کو یہیں پہنچ کر منیٰ کے لئے گاڑی لینا طے ہوا تو ہم اطمینان سے خریداری کرنے چلے گئے۔ مقررہ وقت پر پھر عمارت السجینی میں پہنچ گئے۔

رات بارہ بجے کے بعد ۹ **فروری** (۸ **ذی الحجہ**) کی تاریخ شروع ہو چکی تھی۔ جب منیٰ کے لئے ہماری روانگی ہوئی۔ منیٰ خیموں کا عالی شان شہر بنا ہوا تھا لیکن جاتے ہی پہلی خرابی یہ ہوئی کہ بس ڈرائیور نے ہمیں ہمارے کیمپ 39-B کی بجائے نمبر 39 پر اتار دیا۔ وہاں پھر پریشانی کا سامنا کرنا پڑا۔ مبارکہ کی طبیعت بگڑنے لگی۔ وہ تھک ہار کر سڑک کے کنارے پر ہی بیٹھ گئی۔ آخر ایک ویگن آئی اور ہمیں اصل ٹھکانے پر لے گئی۔ بس میں بیٹھے ہوئے دور سے خیموں کو دیکھ کر مجھے لگا تھا کہ ان کے اندر مجھے گھٹن ہو سکتی ہے۔ لیکن نہ صرف خیمے بے حد کشادہ تھے بلکہ ان کے اندر بڑے بڑے ائر کنڈیشنڈ لگے ہوئے تھے۔ گھٹن کی بجائے سردی لگنے لگی۔ خواتین کے خیمے الگ تھے اور مردوں کے الگ۔ تاہم رابطہ کرنے میں زیادہ دقت نہیں تھی۔ مبارکہ کو اتنی زیادہ ٹھنڈ لگ رہی تھی کہ اس کے کہنے پر میں نے خود اس کے خیمے میں جا کر اس کا ائر کنڈیشنڈ بند کیا۔ پھر بھی صبح تک مبارکہ کی حالت کافی خراب ہو گئی۔ چنانچہ ڈاکٹر کو بلانا پڑا۔ ایک ایمبولینس آئی۔ وہیں پر مبارکہ کی دیکھ بھال کی گئی اور پھر وہ لوگ دوا دے کر رخصت ہوئے۔ ۹/فروری کا سارا دن منیٰ میں اپنے اپنے خیموں میں نمازیں، نوافل کی ادائیگی کرتے، تلاوت قرآن پاک کرتے اور دعائیں کرتے ہوئے گزارا۔

اگلے روز ۱۰/**فروری** (۹/**ذی الحجہ**) کو صبح سویرے ہی عرفات کے لئے روانگی ہوئی۔ وقوف عرفات حج کا رکنِ اعظم ہے۔ یہاں حج کا خطبہ ہوتا ہے اور مسجد نمرہ میں خطبہ عید ہوتا ہے اور اس سے ملحق بڑے میدان میں نماز باجماعت کے ساتھ اپنے اپنے گروپوں میں نماز باجماعت کا انتظام ہوتا ہے۔ ہم نے اپنے ہی گروپ میں نماز باجماعت پڑھی۔ (یہاں گروپ سے مراد صرف یہ ہے کہ ہم جس حصے میں مقیم تھے وہاں کے سارے لوگوں نے باجماعت نماز ادا کی) شام ہونے کے بعد یہاں سے مزدلفہ کے لئے روانگی ہوئی۔ یہ ایک کھلا میدان ہے۔ یہاں

بے سروسامانی کی حالت میں کسی چھت کے بغیر اور مرد، عورت کی کسی تفریق کے بغیر جہاں جگہ ملے وہاں رہ کر پوری رات عبادت میں گزارنی ہوتی ہے۔ لاکھوں لوگوں کا ہجوم یکجا ہوا تو گردوغبار بھی بہت زیادہ بڑھ گیا۔ روایت ہے کہ مزدلفہ میں جو کوئی ساری رات جاگ کر دعا مانگتا رہے، اس کی دعا قبول ہوتی ہے۔ حقیقتاً دن بھر میدانِ عرفات میں عبادت کے بعد مزدلفہ پہنچنے تک ہی انسان اتنا تھک جاتا ہے کہ اس کا رات بھر جاگنا ہی مشکل ہو جاتا ہے اور پھر انہماک کے ساتھ دعا مانگنے کی کیفیت پیدا ہونا تو اور بھی مشکل ہو جاتا ہے۔ شاید اسی لئے اسی موقعہ پر قبولیت دعا کا چانس زیادہ کر دیا گیا کہ مانگنے والوں کو اتنا ہوش ہی کہاں ہوگا۔ مزدلفہ میں سب کچھ غیر منظّم تھا۔ کوئی سونا چاہے تو جیسے چاہے جہاں چاہے دستیاب صورتحال کے مطابق سو سکتا تھا۔ محرم اور غیر محرم کی کوئی تفریق نہ تھی۔ بس کوئی اپنے طور پر احتیاط کر لے تو کر لے۔

یہاں کے گردوغبار کی وجہ سے مبارکہ کی حالت ایک دفعہ پھر بگڑ گئی۔ لیکن اب صبر کے ساتھ تکلیف برداشت کرنے کے سوا کوئی چارہ نہ تھا۔ خود مجھے بھی کھانسی کی تکلیف ہو گئی تھی اور کھانس کھانس کر برا حال ہو گیا تھا۔ یہیں سے میں نے منیٰ میں شیطان کو مارنے کے لئے اپنے اور مبارکہ کے حصے کی کنکریاں جمع کر لیں۔

۱۱/ **فروری** کو ہم لوگ گرتے پڑتے منیٰ میں اپنے خیموں تک پہنچے۔ مبارکہ کی علالت کے باعث اسے اس کے خیمے میں چھوڑا اور خود شیطان کو کنکریاں مارنے کے لئے چلا گیا۔ ۱۰ ذی الحجہ کو صرف بڑے شیطان کو کنکریاں مارنا ہوتی ہیں۔ شیطان تک پہنچتے ہوئے رش اتنا زیادہ تھا کہ مجھے اپنا دَم گھٹتا ہوا محسوس ہونے لگا۔ پھر بھی جیسے تیسے ہمت کر کے میں نے پتھر مارنے کا کام پورا کر لیا۔ بعد میں پتہ چلا کہ اسی ہجوم میں ۱۴۔ افراد رش کی وجہ سے کچلے گئے یا دَم گھٹنے سے ہلاک ہو گئے۔ شیطان کو کنکریاں مار کر نکلا تو باہر آ کر سر کا حلق کرایا۔ یعنی سر پر مکمل استرا پھرایا۔ یہاں سے فراغت کے بعد کھانے کے لئے کچھ عربی قسم کا چاولوں اور مرغ کا کھانا خریدا۔ پیک کرایا اور منیٰ میں اپنے خیموں کی طرف روانہ ہوا۔ لیکن ایک جیسے خیموں کو دیکھ کر ایسا چکر آیا کہ اپنے خیموں کا رستہ نہیں ملا۔ منیٰ میں بڑے شیطان کو کنکریاں مارنا بجائے خود بہت بڑی مشقت کا کام تھا اس

کے بعد کچھ آرام کرنا ضروری تھا لیکن میں رستہ بھول گیا تھا اور اب پیدل چلتے ہوئے اپنے ایریا کے خیمے ڈھونڈتا پھر رہا تھا۔ جگہ جگہ سعودی وزارت حج کے متعین کردہ اہلکار اور پولیس موجود تھی۔ ایک ایک سے اپنے خیمے کا رستہ پوچھا لیکن مجال ہے جو کسی نے انسانوں کی طرح بات کرنا بھی گوارا کیا ہو۔ رہنمائی کرنا تو بعد کی بات ہے۔ اپنے خیمے کا لکھا ہوا، اتہ پتہ میرے پاس موجود تھا لیکن چار گھنٹے کی خواری کے باوجود کسی سرکاری اہلکار یا پولیس والے نے کسی قسم کی کوئی رہنمائی نہیں کی۔ پتہ نہیں ان سب کو وہاں کس مقصد کے لئے تعینات کیا گیا تھا۔

چار گھنٹے کی اس خوفناک تلاش کے بعد حقیقتاً میری کیفیت ایسی ہو گئی کہ جی چاہا چھوٹے بچوں کی طرح سر پر ہاتھ رکھ کر اونچی آواز سے رونا شروع کر دوں۔ بس ادھر یہ کیفیت بنی اور اُدھر ایک حاجی نے میری رہنمائی کر دی۔ خدا جانے وہ حاجی کس ملک کا تھا اور کس زبان میں سمجھا رہا تھا لیکن میرے لکھے ہوئے ایڈریس سے اسے میری جائے قیام کا اندازہ ہو گیا تھا اور اس نے جس زبان میں بھی مجھے سمجھایا، سمجھ میں آ گیا تھا۔ میرے خیموں کا ایریا میرے سامنے تھا لیکن ایک لمبے سے چکر کے بعد وہاں تک پہنچنا ممکن تھا۔ لمبے چکر کے بارے میں بھی حاجی بھائی نے سمجھا دیا اور میں انتہائی تھکاوٹ کی حالت میں لمبا چکر مکمل کر کے اور مزید کسی چکر میں پڑے بغیر اپنے خیمے تک پہنچ گیا۔ مبارکہ کچھ آرام کرنے کے باعث قدرے بہتر تھی اور میری حالت کافی خراب ہو چکی تھی پھر بھی ہم نے حج کے طریق کے مطابق مکہ شریف جانے اور طواف وسعی کا فرض ادا کرنے کے لئے کمرِ ہمت کس لی۔ خیموں کی حدود سے باہر آ کر برلبِ سڑک کھڑے ہو گئے۔ چند ناکامیوں کے بعد ایک ویگن میں جگہ حاصل کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ اس ویگن نے حرم شریف سے خاصی دور اتارا۔ ان کی مجبوری بھی جائز تھی کہ اس رش میں جتنی دیر میں ویگن وہاں پہنچ پاتی پیدل چلنے والے اس سے کہیں پہلے پہنچ جاتے۔ ویگن سے اتر کر پھر پیدل چلنے لگے۔ ہمیں جتنا سفر حرم شریف پہنچنے تک کرنا تھا لگ بھگ اتنا ہی سفر پھر آگے اپنے ہوٹل تک پہنچنے کے لئے کرنا تھا۔ گرتے پڑتے اپنے ہوٹل تک پہنچے۔ یہاں حکم کے مطابق اپنا احرام کھولا۔ غسل کیا اور نئے کپڑے پہن لئے۔ مبارکہ بھی غسل کر کے نئے کپڑے پہن کر تیار ہو گئی۔ ہوٹل کی انتظامیہ کو

ہم نے پہلے ہی سے چھ بکروں کی قربانی کے لئے رقم دے کر ضروری کاروائی کر لی تھی۔ یہ قربانی ایک ایک ہم دونوں کی طرف سے تھی اور باقی چار ابا جی، امی جی، ماموں ناصر اور ممانی مجیدہ کی طرف سے کرائی تھیں۔ قربانی کا گوشت آیا ہوا تھا ، انتظام کرنے والوں نے کچھ گوشت پکا کر بھی رکھا ہوا تھا۔ ہم نے اس میں سے تھوڑا سا کھایا اور پھر حرم شریف چلے گئے۔ نماز عشاء کے بعد ہم طواف اور سعی کے لئے مستعد تھے۔

پہلے عمرہ میں، منیٰ جانے سے پہلے، طواف کرتے ہوئے ہم گراؤنڈ فلور سے خانہ کعبہ کے گرد تین چکر لگا پائے تھے کہ ہجوم کی وجہ سے مجھے لگا مبارکہ اس میں کچلی جا سکتی ہے۔ چنانچہ باقی کے چار چکر ہم نے دوسری منزل سے جا کر پورے کئے تھے۔ اس بار پہلے ہی طے کر لیا تھا کہ طواف اور سعی کے سارے مراحل اوپر والی کسی منزل پر طے کریں گے۔

چنانچہ تیسری منزل سے ہم نے خانہ کعبہ کا طواف شروع کیا۔ مبارکہ کے لئے وہیل چیئر کا انتظام کر لیا تھا۔ یہ ایک چکر زمین سے خانہ کعبہ کے گرد تین چکروں کے برابر لگا لیکن رش کی موجودہ حالت میں یہی بہتر لگا۔ طوافِ کعبہ کے بعد سعی کے چکر شروع ہوئے۔ میں سعی کے دوسرے پھیرے میں تھا جب مبارکہ مجھے ملی اور بتایا کہ اس کا چھٹا چکر ہے۔ ہم نے سعی کے بعد سعی کے اختتام والے دروازے پر ملنے کا طے کیا۔ جب میں نے سعی کا عمل مکمل کیا اور سعی کے اختتام والے دروازے سے باہر گیا تو مبارکہ غائب۔۔۔

صبح سویرے منیٰ جانے سے لے کر موجودہ وقت تک میں مسلسل چلنے کے عالم میں تھا۔ چلنا بھی ایسا جس میں زیادہ تر پریشانی اور بے یقینی ساتھ ساتھ تھی۔ ساڑھے تین گھنٹوں میں طواف اور سعی کے مکمل ہونے والے عمل کے بعد اب ایک نئی پریشانی نے گھیر لیا۔ مبارکہ کو کہاں تلاش کیا جائے؟ پہلے تو باہر والے دروازے کے آس پاس ڈھونڈتا رہا۔ پھر طواف والے ایک کھلے حصے میں چلا گیا کہ وہاں عقب میں بچھی کھلی صفوں میں شاید کہیں مل جائے۔ کبھی ادھر اور کبھی اُدھر۔۔۔ لیجئے میری ذاتی سعی اب شروع ہوئی۔۔۔ بی بی حاجرہ اپنے لختِ جگر کے لئے بے چینی سے دوڑ رہی تھیں تو میں اپنے لختانِ جگر کی والدہ محترمہ کے لئے پریشان ہوا پھر رہا تھا۔ کبھی سعی

کے اختتام والے دروازے کی طرف تو کبھی آغاز والی طرف۔۔ کبھی بالکل باہر جا کر تو کبھی سعی یا طواف والے ہجوم میں جا کر۔ کبھی کسی طرف اور کبھی کسی طرف کچھ سمجھ نہیں آ رہی تھی کیا کروں۔ تیسری منزل پر موجود سرکاری اہلکاروں کو اپنی پریشانی بتائی، وہ ویسے بھی کچھ نہیں کر سکتے تھے اوپر سے ان کا حسبِ معمول نازیبا رویہ۔

ننگے پاؤں ہی حرم شریف سے باہر نکل آیا۔ رستے میں ایک ہندستانی نوجوان مل گیا۔ اس نے میری پریشانی جان کر پولیس اسٹیشن تک میری رہنمائی کی۔ وہاں ترجمان کا فریضہ بھی ادا کیا۔ لیکن جس پولیس نے جدہ سے لے کر منیٰ تک کسی مرحلے کی کسی پریشانی میں دھیلے کا تعاون نہیں کیا وہ اس صورتحال میں کیا مدد کرتے۔ میں نے ان سے کہا کہ آپ حرم شریف کی تیسری منزل کے اہلکاروں کو موبائل پر یہ واقعہ بتا کر اتنا کہہ دیں کہ کوئی خاتون اس پریشانی میں ملیں تو آپ کو اطلاع کر دیں۔ لیکن پولیس اسٹیشن نے اس رنگ کا کوئی تعاون کرنے سے بھی انکار کیا۔

پولیس اسٹیشن سے مایوس ہو کر ہندوستانی دوست کا شکریہ ادا کیا اور حرم شریف کی طرف لوٹ آیا۔ میری سعی گیارہ بج کر پچاس منٹ پر مکمل ہوئی تھی اور اب رات کے دو بج رہے تھے۔ میں گراؤنڈ فلور پر خانہ کعبہ کے سامنے اس طرف کھڑا ہو گیا جہاں سے حطیم شریف، مقامِ ابراہیم اور حجرِ اسود اور ملتزم شریف والے حصے میرے سامنے تھے۔ ننگے پاؤں چل چل کر ویسے ہی مت ماری گئی تھی۔ اس وقت دعا کے لئے الفاظ بھی نہیں سوجھ نہیں رہے تھے۔ حج پر آنے سے پہلے مجھے بلھے شاہ کی ایک کافی ریاض قادری کی آواز میں دیکھنے اور سننے کا موقعہ ملا تھا۔ مجھے اس کی پیش کش اور گانے کا انداز سب بہت اچھا لگا تھا۔ نئی موسیقی کے اوچھے پن کی بجائے اس میں وہی پاکیزگی ملتی تھی جو بلھے شاہ کی کافی کا خاصہ ہے۔ پتہ نہیں کیسے اس کافی کا ایک بند میرے ذہن میں گونجنے لگا۔ منیٰ کے لئے صبح ساڑھے آٹھ بجے روانگی کے سفر سے لے کر اب تک میں مسلسل چل رہا تھا۔ کبھی سفر کے باعث، کبھی رستہ بھول کر، کبھی طواف اور سعی کے لئے اور اب مبارکہ کو ڈھونڈنے کے لئے۔۔۔ صبح ساڑھے آٹھ بجے سے اب رات کے دو بجے کا وقت تھا اور میرے پاؤں کا چکر ختم ہونے میں نہیں آ رہا تھا۔ پاؤں میں سچ مچ چھالے سے پڑ گئے تھے۔ شاعری میں چھالوں کا

ذکر بڑی آسانی سے کر لیا تھا اب سچ مچ واسطہ پڑا تو پتہ چلا کہ پاؤں کے چھالے کیا ہوتے ہیں۔ زخمی پیر، بے پناہ تکان اوران سب سے بڑھ کر پریشانی اور بے بسی۔ اسی حالت میں خانہ کعبہ میرے سامنے تھا۔ پتہ نہیں کیسے بلھے شاہ کی کافی کا بند ذہن میں گونجنے لگا اور شاید میں اسے ہلکے ہلکے اپنے ہونٹوں سے بھی ادا کرنے لگا۔

ایس عشق دی جھنگی وچ مور بولیندا
ایس عشق دی دی جھنگی وچ مور بلیندا
ساہنوں قبلہ تے کعبہ سوہنا یار ڈسیندا
سانہوں گھائل کر کے فر خبر نہ لئی آ۔ سانہوں گھائل کر کے فیر خبر نہ لئی آ
تیرے عشق نچایا کر تھیا تھیا تھیا۔۔۔۔۔۔ تیرے عشق نچایا کر تھیا تھیا تھیا

میں کتنی دیر تک وہاں تھیا تھیا کی کیفیت میں رہا کچھ نہیں کہہ سکتا۔ بس جب اس کیفیت سے باہر آیا تو ایک بار پھر حرم شریف کی تیسری منزل پر چلا گیا۔ وہاں نماز گاہ والی جگہ سے ایک سرکاری اہلکار سے ''زوجِ گم گشتہ'' کے بارے میں استفسار کیا تو اس نے بتایا کہ سعی کے اختتامی حصے کے قریب ایک جگہ چند گم شدہ خواتین ہاتھ بلند کر کے کھڑی ہیں ان میں دیکھ لیں۔ سعی کرنے والوں کے ہجوم سے گزرتا ہوا وہاں تک گیا تو دور سے چند خواتین ایک اونچی جگہ پر اپنے دائیں ہاتھ بلند کئے کھڑی تھیں۔ ایک چہرے کو دیکھ کر کبھی گمان ہوتا تھا کہ یہ مبارکہ ہے اور کبھی لگتا تھا آنسوؤں سے دھلے ہوئے چہرے والی کوئی فلسطینی عورت ہے۔ یہ خدشہ بھی تھا کہ اگر یہ مبارکہ نہ ہوئی اور میں نے اسے اپنی طرف متوجہ کیا تو یہیں کوئی تماشہ نہ بن جائے۔ بہر حال خدا خدا کر کے مبارکہ کی نظر بھی مجھ پر پڑی اور پھر دونوں کی جان میں جان میں آئی۔

حرم شریف سے نکلے تو بالکل نڈھال ہونے کے باوجود محض اس وجہ سے کچھ تازہ دَم ہو گئے کہ دونوں بچھڑے ہوئے مل گئے تھے۔ وہاں سے نکل کر سامنے والی سڑک پر گئے تا کہ اب سیدھا منیٰ کی طرف نکل جائیں۔ اڑھائی بجے سے لے کر چار بجے تک کسی بس یا ویگن کے لئے بھاگ دوڑ کرتے رہے۔ اس بھاگ دوڑ کی وجہ سے کبھی سڑک پر اور کبھی سڑک کے کنارے پر

رہے۔ گاڑیوں کے دھوئیں نے مزید ستیاناس کر دیا۔ جب رات کے (بلکہ صبح کے) چار بج گئے اور کوئی گاڑی نہیں ملی تو مجبوراً ہوٹل کی طرف روانہ ہو گئے۔ گیارہ فروری سے **بارہ فروری** ہو چکی تھی اور میں مسلسل چل رہا تھا۔ وہاں پہنچنے کے تھوڑی دیر بعد مبارکہ کی حالت مزید خراب ہونے لگی۔ پہلے ہوٹل کے ڈاکٹر کو بلایا۔ اس نے حالت دیکھتے ہوئے ایمبولینس منگا لی۔ اب ہم لوگ ایمبولینس میں بیٹھ کر عبدالعزیز ہسپتال جا رہے تھے۔ وہاں ضروری دیکھ بھال کے بعد دوائیں وغیرہ دے کر ہمیں چھٹی دے دی گئی۔ وہاں سے نکل کر حرم شریف چلے گئے۔ ظہر کی نماز ادا کی۔ پھر ہوٹل واپس آئے۔ یہاں مبارکہ کو چھوڑا۔ کیونکہ اب اس کا منیٰ جانا زیادہ مشکل ہو گیا تھا۔ دوا کھا کر اس پر غشی سی طاری ہو رہی تھی۔ میں نے اسے بتا دیا کہ آج تینوں شیطانوں کو کنکریاں مارنی ہیں۔ آپ کے حصے کی کنکریاں آج بھی میں خود ہی مار کر آؤں گا۔ ویسے سچی بات ہے کل کے تجربے کے باعث مجھ پر خوف سا طاری تھا کہ کل صرف ایک شیطان کو مارنے میں کتنا حشر ہو گیا تھا، آج تینوں شیطانوں کو پتھر مارنے ہیں۔ پتہ نہیں وہاں سے زندہ واپسی ہوتی ہے یا نہیں۔

جمرات پہنچ کر شیطان کو کنکر مارنے کا سلسلہ شروع ہوا تو بے شک رش کافی تھا لیکن روانگی کے وقت مجھ پر جتنا خوف طاری تھا وہ سارا دور ہو گیا۔ میں نے تھوڑی محنت اور ہمت سے کام لے کر نہ صرف تینوں مقامات پر اپنے حصے کی کنکریاں ماریں بلکہ مبارکہ کے حصے کی کنکریاں بھی مار لیں۔ اس بار یہ بھی اندازہ ہوا کہ ہجوم کے باعث جو ہلاکتیں ہوتی ہیں اس میں ہجوم کی زیادتی سے زیادہ بد انتظامی کا دخل ہے۔ جہاں سے لوگ پتھر مارنے کے لئے جا رہے ہیں وہیں سے واپس آ رہے ہیں۔ کوئی لائن یا ترتیب نہیں ہے۔ بس جب ایک طرف کا چھوٹا سا ہجوم اور مخالف سمت کا چھوٹا سا ہجوم برابر کی زور آزمائی شروع کر دیتا ہے تو پھر کچلے جانے سے یا دَم گھٹنے سے اموات ہو جاتی ہیں۔ میں انتہائی معذرت کے ساتھ لکھ رہا ہوں کہ اگر جرمنی کی کسی کمپنی کو اس کا انتظام سونپ دیا جائے تو یہ لوگ ایسی سیٹنگ کر دیں گے کہ لاکھوں کی تعداد کے باوجود حجاج کرام اطمینان سے اس مرحلہ سے گزر سکتے ہیں۔ جتنی اموات بھی ہوتی ہیں محض بد انتظامی کی وجہ

سے۔ وہ بدانتظامی جوسارے اسلامی ملکوں کی شناخت بن چکی ہے۔

مجھے اندازہ نہیں تھا کہ تین شیطانوں سے اتنی آسانی سے گلوخلاصی ہو جائے گی۔ وہاں سے نکلا تو اطمینان سے سڑک کے کنارے لگی ہوئی عارضی دکانوں کو دیکھتا چلا۔ اپنی پسند کی چند چیزیں بھی خریدلیں۔ واپسی کے لئے ایک ویگن میں جگہ مل گئی اور میں شیطانوں کو کنکر مار کر منیٰ کی بجائے اطمینان سے واپس مکہ پہنچ گیا۔ اصولاً ہمیں یہ دن منیٰ کے خیموں میں گزارنے چاہئیں تھے۔ لیکن مبارکہ کی حالت کے پیشِ نظر ہوٹل میں قیام کرنا پڑ رہا تھا۔ منیٰ میں ہم دو راتیں ہی گزار سکے تھے جبکہ ایک رات مزدلفہ میں گزری تھی۔

شیطان کو دوسرے دن پتھر مارنے کے تجربے کے بعد مجھے کافی تسلی ہو گئی تھی اور **۱۳ر فروری** (**۱۲ ذی الحجہ**) کو میں ہوٹل سے نکلنے سے پہلے جوتوں کے تسمے باندھتے ہوئے ڈائیلاگ مارتے ہوئے کہہ رہا تھا او شیطانو! تیار ہو جاؤ میں آ رہا ہوں۔۔۔۔لیکن جب جمرات پہنچا تو رمی جمرات (شیطانوں کو کنکریاں مارنے کا عمل) ۱۰ ذی الحجہ سے بھی زیادہ سخت ثابت ہوئی۔ لگتا ہے شیطان میرے للکارنے کا برا مان گئے تھے۔ اس بار رش اتنا زیادہ تھا کہ ایک مرحلہ پر تو مجھے سچ مچ اپنا دل بیٹھتا ہوا محسوس ہوا اور لگا کہ میں گیا۔۔۔ اگرچہ شیطان کو مارنے میں بری طرح نڈھال ہو گیا لیکن پھر بھی جیسے تیسے یہ کام مکمل ہو گیا۔ جمرات سے واپسی میں بھی مشکل ہو گئی۔ آج شیطان کو کنکریاں مارنے کا آخری دن تھا اور روایات کے مطابق منی میں مقیم حجاج کی اکثریت آج ہی غروبِ آفتاب سے پہلے حدودِ منیٰ سے نکل جانا چاہتی تھی۔ اسی لئے وہاں سے واپسی کے لئے کوئی گاڑی نہیں مل رہی تھی۔ پیدل چلنے والوں کے کئی کارواں رواں دواں تھے۔ مبارکہ ساتھ نہیں تھی تو مجھے لگا کہ میں اکیلا پیدل چل کر حرم شریف تک پہنچ ہی جاؤں گا۔ سڑک کے کنارے کنارے بہت سے لوگ پیدل جا رہے تھے۔ میں بھی اسی طرف چلنے لگا۔ آدھے گھنٹے کے سفر کے بعد ایک سکوٹر والا میرے قریب آ کر رُک گیا۔ یہ کوئی بنگالی نوجوان تھا۔ اس سے ہوٹل تک پہنچانے یا حرم شریف تک پہنچانے کی بات ہوئی۔ ۳۰ ریال میں معاملہ طے پایا۔ یوں میں نسبتاً کم تکلیف کے ساتھ ہوٹل پہنچ گیا۔ مبارکہ کو تسلی دی۔ کچھ دیر آرام کیا۔

پھر ہم عشاء کی نماز کے لئے حرم شریف کی طرف روانہ ہوئے۔ مبارکہ نے ہمت کر لی تھی کہ جیسے تیسے حرم شریف چلنا ہے۔ نماز عشاء کے بعد ساڑھے نَو بجے تک ہم صحنِ کعبہ میں بیٹھے رہے۔ اتنے بے پناہ رش کے باوجود صحنِ کعبہ میں بیٹھ کر اتنی دیر تک دیدارِ کعبہ کی سعادت مل جانا بہت بڑی بات تھی۔ پھر طواف کرنے والوں کا دائرہ وسیع ہونے لگا تو ہمیں صحنِ کعبہ سے پیچھے ہٹنا پڑا کہ طواف کرنے والوں کا حق فائق تھا۔

۱۴ر فروری (**۱۳ر ذی الحجہ**) جمعتہ المبارک کا دن اور مکہ شریف میں ہمارا آخری دن کہ اگلے روز ۱۵ر فروری کو ہمیں مدینہ شریف روانہ ہو جانا ہے۔ اس لحاظ سے مکہ میں یہ ہمارا آخری دن تھا۔ منیٰ سے واپس آنے والوں کے باعث کل رات سے ہی مکہ میں رش بہت بڑھ چکا تھا۔ ہمیں آج طوافِ وداع بھی کرنا ہے۔ فجر کی نماز کے بعد ہم نے حرم شریف میں ہی سورۃ یاسین اور سورۃ صافات پڑھ کر اپنی دلی مرادیں مانگیں۔ پھر وہیں بیٹھے رہے۔ دن کے دس بجنے والے تھے جب میں نے باہر آ کر ایک وہیل چیئر والے سے بات کی۔ بات طے ہو گئی تو مبارکہ کو بھی باہر لے آیا۔ اس بار ہم نے کسی گمشدگی کی صورت میں اپنا میٹنگ پوائنٹ طے کر لیا تھا۔ مبارکہ نے وہیل چیئر پر بیٹھ کر تیسری منزل سے طواف شروع کیا اور میں نے صحنِ کعبہ ہی میں طواف کی سعادت حاصل کی۔ 10.20 بجے سے لے کر 11.35 بجے تک یہ طواف مکمل ہو گیا۔ مبارکہ بھی جلد ہی میٹنگ پوائنٹ پر پہنچ گئی۔ اس کے بعد ہم نے جمعہ نماز کی تیاری شروع کی۔ جمعہ نماز کی ادائیگی کے بعد میں نے ایک قریبی ہوٹل سے کھانا پیک کرایا۔ حرم شریف کے باہر والے وسیع فرش پر بیٹھ کر ہم نے وہ کھانا کھایا۔ خدا کا شکر ادا کیا۔ کھانا کھانے کے بعد مبارکہ کی طبیعت خراب ہونے لگی تو اسے ہوٹل لے آیا۔ وہاں اسے دوا دینے کے ساتھ آرام کرنے کو کہا اور پھر خود حرم شریف آ گیا۔ یہاں سے عشاء کی نماز کے بعد ہوٹل سے کھانا پیک کرایا۔ مبارکہ کو کھانا پہنچایا۔ پھر شارع خالد بن ولید کی سڑک کے کنارے لگی ہوئی فرشی مارکیٹ کو دیکھتا ہوا حرم شریف پہنچ گیا۔ اس بار صحنِ کعبہ تک پہنچ کر میں نے مقامِ ابراہیم اور درِ کعبہ کے کے سامنے ایک جگہ حاصل کر لی۔ طوافِ کعبہ کرنے والوں کے وسیع دائرے سے ذرا ہٹ کر مجھے ایسی جگہ مل گئی

جہاں سے دیدار ممکن تھا۔ بیٹھ کر بھی کافی دیر تک دیدار کیا۔ پھر کھڑے ہو کر الوداعی نظر ڈالنا چاہی تو جیسے پاؤں فرش سے جم گئے اور آنکھیں کعبہ شریف پر ہی گڑی رہ گئیں۔ یہ الوداعی نظر خاصی طویل ہو گئی۔ شاید بیٹھ کر کئے گئے دیدار سے بھی زیادہ طویل۔۔۔ اس سفر کے دوران اٹھائی گئی ساری تکالیف اور پریشانیاں ایک ایک کر کے سامنے آ رہی تھیں اور اس دیدار کی لذت میں بے معنی ہوتی جا رہی تھیں جو اس الوداعی نظر سے نصیب ہو رہی تھی۔ پھر میں ویسی ہی اداسی کی کیفیت کے ساتھ باہر آیا جیسی بہت ہی پیاروں سے بچھڑتے لمحوں والی اداسی ہوتی ہے۔

۱۵/ **فروری** (۱۴/ **ذی الحجہ**) کو ہم صبح سویرے ساڑھے پانچ بجے ہوٹل کا کمرہ چھوڑ کر اپنے متعلقہ آفس میں پہنچ گئے۔ وہیں فجر کی نماز ادا کی۔ وہیں سے ہمیں بس اسٹیشن تک لے جایا گیا۔ مکہ سے مدینہ تک کا یہ سفر انتہائی تکلیف دہ تھا۔ ہم صبح ساڑھے پانچ بجے کے نکلے ہوئے رات ساڑھے گیارہ بجے مدینہ میں اپنے ہوٹل تک پہنچے۔ یہ بس کا ایک عام سا سفر تھا۔ اس میں کہیں ٹریفک جام ہونے کا مسئلہ نہیں تھا۔ اس کے باوجود پورا اہتمام کیا گیا تھا کہ حجاج کرام کو زیادہ سے زیادہ ثواب ملتا رہے (روایت ہے کہ سفرِ حج کے دوران جتنی تکالیف اور پریشانیاں ہوں اتنا ہی سارے سفر کا ثواب ملتا ہے)۔

۱۶/ **فروری** کو فجر کی نماز کے لئے نکلے۔ اس بار ہمارا ہوٹل مسجد نبوی سے کافی قریب ہے۔ میری کھانسی کی تکلیف شدت اختیار کر گئی ہے۔ مبارکہ تو خیر ویسے ہی مستقل بیمار ہے۔ خواتین کے لئے اس موقعہ پر زیارتِ روضۂ رسولؐ کا کوئی انتظام نہیں تھا۔ شاید اتنے رش میں ممکن بھی نہیں تھا۔ میں نے پہلے ہی مرحلہ میں تمام تر رش کے باوجود روضۂ رسولؐ پر حاضری کی سعادت حاصل کر لی۔ مدینہ کے کھانے والے ہوٹل، مکہ کے مقابلہ میں زیادہ سستے ہیں۔ لیکن ہم دونوں کے گلے بری طرح خراب ہیں۔ نوالہ حلق سے نہ اترے تو سستا اور اچھا کھانا بھی کس کام کا؟۔ بہر حال جتنا ہو سکا مدینہ میں گھوم پھر لئے۔ نمازیں بروقت ادا کرنے کی توفیق پا لی۔ کچھ خریداری بھی ہو گئی۔ LTU والوں سے اپنی واپسی کی سیٹ او کے کرانا ضروری تھا لیکن ٹیلی فون پر نہ تو ہوائی کمپنی کا کوئی بندہ فون اٹھا رہا تھا اور نہ ہی فہد عمرہ سروس والوں کا نمائندہ کسی طرح لائن پر

آ رہا تھا۔

۱۷/ **فروری** کو پھر LTU والوں اور فہد عمرہ سروس والوں سے رابطہ کی کوشش کی لیکن دونوں کوششیں بے سود ثابت ہوئیں۔ آخر جرمنی میں بڑے بیٹے شعیب اور بہو تسنیم کو فون کر کے اس مسئلہ سے آگاہ کیا اور انہیں تاکید کی کہ LTU والوں کو رِنگ کر کے ہماری سیٹ کی کنفرمیشن کرا لیں۔ آج مسجد نبوی کے بیرونی حصے میں دستیاب آبِ زم زم حاصل کیا۔ باقی یہ دن بھی گزشتہ دن کی طرح ہی گزرا۔

۱۸/ **فروری** کو نمازِ فجر کے بعد واپسی پر ہی ناشتہ کیا۔ ہوٹل میں آ کر مبارکہ نے اپنی دوائیں لیں۔ تھوڑا سا آرام کیا۔ پھر ہم ہوٹل سے باہر نکل آئے۔ مدینے کی گلیوں اور بازاروں میں گھومتے رہے۔ اس دوران نمازوں کا وقت ہوتا تو مسجد نبوی میں جا کر نماز ادا کر لیتے اور پھر مارکیٹ میں جا نکلتے۔ عشاء کی نماز کے بعد ہوٹل میں آ گئے۔ سوا آٹھ بجے ہم نے ''ہجرہ ریسیپشن اسٹیشن'' کے لئے ایک ٹیکسی لی۔ وہاں جاتے ہی جدہ جانے والی بس میں جگہ مل گئی۔ ۱۰ بجے چلنے والی بس گیارہ بجے روانہ ہوئی اور اگلے روز یعنی ۱۹/ **فروری** کو صبح سات بجے ہم جدہ پہنچ گئے۔ وہاں متعلقہ آفس سے اپنے گمشدہ سامان کے بارے میں پتہ کیا۔ ایک عمارت میں بہت سے لوگوں کا گمشدہ سامان جمع کیا ہوا تھا۔ ہمیں وہ ساری جگہیں دکھا دی گئیں۔ لیکن ان میں ہمارا سامان کہیں بھی نہیں تھا۔ مبارکہ کی طبیعت پھر مضمحل سی ہو گئی اور اس کی حالت دیکھ کر مجھے بوریت ہونے لگی۔ یہ سارا دن جدہ ائر پورٹ پر ہی گزارنا تھا، اور اسی بوریت کے ساتھ ہی گزارنا پڑا۔ رات ساڑھے آٹھ بجے ٹیلی فون کر کے ٹیپو کو اطلاع دی کہ ہم آج رات جرمنی کے لئے روانہ ہو رہے ہیں۔ ساتھ ہی اسے تاکید کی کہ ہم دونوں کے اوور کوٹ ائر پورٹ پر لیتے آئیں۔ شام سات بجے روانہ ہونے والا جہاز رات ایک بجے کے بعد ملا۔ صبح (رات) دو بجے جہاز جرمنی کے لئے روانہ ہوا تو ۲۰ **فروری** کی تاریخ شروع ہو چکی تھی۔

جدہ ائر پورٹ پر ایک ایسا واقعہ دیکھنے میں آیا جس کا تکلیف دہ اثر آج بھی میرے ذہن میں موجود ہے۔ ائر پورٹ پر مسافروں کے لئے کئی ہوٹل اور اسٹالز بنے ہوئے تھے۔ ایک اسٹال پر

کھانا فروخت ہو رہا تھا۔لوگ ویسے تو لائن میں لگے ہوئے تھے لیکن ساتھ ہی اضافی لائنیں بھی بن رہی تھیں اور کوئی نظم وضبط نہیں تھا۔اس اسٹال پر ایک نہایت نفیس قسم کا افریقی نوجوان لمبی لائن کے باوجود بڑے تحمل کے ساتھ اپنی باری کا انتظار کر رہا تھا۔جب اس کی باری قریب آئی تب بھی اس کے آس پاس سے لوگ کھانا لئے جا رہے تھے اور وہ کاؤنٹر کے قریب پہنچ کر بھی لمبی لائن جیسی حالت میں تھا۔چنانچہ اس سے اتنی غلطی ہوگئی کہ اس نے اسٹال کے مالک کی طرف منہ کر کے لائن کی بے ترتیبی پر شستہ انگریزی میں اتنا کہہ دیا:

''یہاں کوئی ڈسپلن نہیں ہے۔رسولِ اکرمؐ کی تعلیمات پر عمل کر کے مغربی دنیا
کتنی ترقی کر گئی اور عرب کے لوگ ویسے کے ویسے ہی رہ گئے۔''

عرب دوکاندار کو اس بات کی اتنی غیرت آئی کہ جب افریقی اس کے بالکل سامنے پہنچ گیا اس نے کہہ دیا ''کھانا ختم ہو گیا ہے''

حالانکہ ابھی بہت کھانا موجود تھا اور ہر ایک کو دکھائی دے رہا تھا۔یہ دراصل عرب دوکاندار کی طرف سے اس افریقی کو کھانا دینے سے انکار کرنے کا اعلان تھا۔تب اس افریقی نے کسی غصے کے بغیر اتنا کہا:

مجھے اس مقدس سرزمین کی قسم ہے کہ پھر کبھی اس زمین پر نہیں آؤں گا۔

اسے محض ایک واقعہ نہیں سمجھیں، حقیقتاً یہ غیر عرب مسلمانوں کے تئیں عربوں کے جاہلانہ رویے کی ایک جھلک تھی۔مجھے اس ڈیسنٹ سے افریقی اور عرب دوکاندار کے چہروں اور دونوں کے کردار کا فرق آج بھی شدت سے محسوس ہوتا ہے۔اللہ تعالیٰ عربوں کی حالتِ زار پر رحم کرے۔اور انہیں اپنے رویے ٹھیک کرنے کی توفیق دے۔

جدہ ائر پورٹ پر آتے ہوئے بھی افراتفری اور نفسانفسی کا سماں دکھائی دیتا تھا اور اب جاتے ہوئے بھی وہی نفسانفسی کا منظر تھا۔کوئی لائن، کوئی ترتیب، کوئی تنظیم نہیں تھی۔دھکم پیل، مار پیٹ کے بعض مناظر بھی دیکھنے میں آرہے تھے۔لیکن جیسے ہی ہم فرینکفرٹ ائر پورٹ پر پہنچے وہی سارے کے سارے مسافر کسی مار دھاڑ کے بغیر، کسی دھکم پیل کے بغیر بڑے ہی سلیقے اور

مہذب ترتیب کے ساتھ باہر جا رہے تھے۔کہیں معمولی سی بھی بدنظمی دیکھنے میں نہیں آرہی تھی۔

یہاں تک وہ روداد لکھی گئی ہے جس کے میں نے نوٹس تیار کئے تھے۔اب ان کے علاوہ چند باتیں جو ذہن میں آرہی ہیں وہ یہاں کسی ترتیب کے بغیر بیان کر دیتا ہوں۔بس جیسے جیسے کوئی بات یاد آتی ہے لکھ دیتا ہوں۔

مکہ میں قیام کے دوران ہم نے زیادہ تر کھانا اسی سرائیکی ہوٹل سے کھایا یا پیک کرایا جہاں سے عمرہ والے دنوں (۱۹۹۶ء) میں کھانا کھاتے رہے تھے۔البتہ کبھی کبھار بہت زیادہ رش ہو جاتا تو کسی دوسرے ہوٹل سے بھی کھانا کھا لیتے۔شروع کے دو تین دن کے بعد ہم دونوں کے گلے خراب ہو گئے تھے اس لئے کھانا کھانے میں بھی تکلیف ہونے لگی تھی، لیکن کچھ نہ کچھ کھانا تو پڑتا تھا۔ہوٹل میں ہی بعض پاکستانی احباب کو دیکھا کہ کھانے کی ادائیگی کا حساب کرتے ہوئے انہیں خاصی پریشانی ہو رہی تھی۔ریال کے مقابلہ میں پاکستانی روپے کی حالتِ زار نے پاکستان سے آنے والوں کو زار و نزار کر رکھا تھا۔یورو چونکہ ریال سے کہیں بہتر تھا اس لئے ہمیں کھانا بہت ہی سستا لگتا تھا۔

مبارکہ کی زیرِ استعمال دواؤں کی اہمیت کی وجہ سے مکہ پہنچتے ہی بڑی بہو کو فون پر تاکید کر دی تھی کہ ان دواؤں کے جرمن ناموں کا انگریزی ترجمہ ڈاکٹر سے پوچھ کر ہمیں بتائیں۔چنانچہ ایک ہی دن میں یہ مرحلہ طے ہو گیا۔مبارکہ کی دوائیں مکہ سے ہی خرید لیں اور بلڈ پریشر ماپنے کی ایک مشین بھی وہیں سے خرید لی۔تاکہ مبارکہ کے سلسلے میں کوئی بڑا مسئلہ نہ بنے۔مجھے دن میں دو بار شوگر کے مرض کی ایک دوا لینا ہوتی ہے۔مکہ کے میڈیکل سٹورز سے پتہ کیا تو اسی نام کی ٹیبلٹ موجود تھی لیکن وہ فرانس کی بنی ہوئی تھی۔خدا کا شکر ادا کیا اور وہ ٹیبلٹس خرید لیں۔لیکن دو تین گولیوں کے استعمال سے یہ ماجرا سامنے آیا کہ وہ گولی کھانے کے بعد مجھے شدید سردرد کی شکایت ہو جاتی۔میں نے گولی کا استعمال ترک کیا تو سردرد کی تکلیف رفع ہو گئی۔چنانچہ میں نے پھر بغیر دوا کے اور بغیر کسی غیر معمولی پرہیز کے ہی باقی ایام گزارے۔اس دوران ایک بار ایک میڈیکل سٹور سے اپنی شوگر چیک کرائی تو نارمل تھی۔دوسری بار جدہ ائر پورٹ پر جرمنی سے گئے ہوئے ایک

دوست سید سعید احمد صاحب سے ملاقات ہوئی، آپ انڈیا سے آ کر جرمنی میں سیٹ ہوئے ہیں۔ دورانِ گفتگو میری شوگر کے مسئلہ کا ذکر ہوا تو انہوں نے اسی وقت اپنی مشین نکالی اور میری شوگر چیک کی۔ میرے لئے انتہائی حیرت کی بات تھی کہ شوگر کا لیول بالکل نارمل تھا۔ کھانے میں کسی غیر معمولی پرہیز کے بغیر اور معمول کی دواؤں کے بغیر ۱۷ دن تک شوگر کا نارمل رہنا خدا کا خاص فضل ہی تھا۔ ویسے اس فضل کا ایک طبی جواز بھی اب سمجھ میں آتا ہے۔

چاول، نان اور مرغن غذاؤں کے کھانے سے شوگر لازماً بڑھتی تھی لیکن اس دوران پاؤں میں جو چکر سا تھا، جو کسی نہ کسی بہانے گردش میں رکھے ہوئے تھا، وہی اس کا علاج کرتا جاتا تھا۔ خاص طور پر ۱۱رفروری کو صبح ساڑھے آٹھ بجے سے لے کر سارا دن اور ساری رات اگلی صبح کے چار بجے تک جو مسلسل چلنا پڑا تھا اور جس کی وجہ سے خانۂ خدا میں بھی بلھے شاہ والا ''تھیا تھیا'' ہوتا رہا تھا تو دراصل یہ پاؤں کا چکر اضافی شوگر کا خصوصی علاج بھی کر رہا تھا۔

خانہ کعبہ کے طواف کے دوران بہت زیادہ بوڑھوں اور معذوروں کے لئے دو سہولتیں میسر تھیں۔ وہیل چئیر کی سہولت سے استفادہ کرنے والوں کو اوپر کی منزلوں پر جانا ہوتا تھا جبکہ گراؤنڈ فلور پر اوپن ائر ڈولی کا انتظام تھا۔ اس ڈولی کو چار قوی قسم کے افریقیوں نے اٹھایا ہوتا تھا۔ اس اوپن ائر ڈولی پر بیٹھے ہوئے بوڑھے بزرگ سب سے زیادہ آرام سے طواف کر لیتے تھے۔ مجھے ایک دو بار ایک بوڑھی سی، بہت ہی بوڑھی سی خاتون دکھائی دیں، بہت ہی سمٹی ہوئی سی، پتلی دبلی اور اردگرد سے بے خبر، دونوں ہاتھ اٹھائے ہوئے، اور رُخ مسلسل کعبہ کی طرف کئے ہوئے مجھے وہ بہت ہی پیاری لگیں۔ کبھی لگتا جیسے بواحیات خاتوں بیٹھی ہوئی ہیں اور کبھی لگتا مبارکہ کی پڑنانی بیٹھی ہیں جنہیں سارا خاندان ''وڈی بھابی'' (بڑی بھابی) کہا کرتا تھا۔ میں نے اپنے بالکل ابتدائی بچپن میں انہیں دیکھا تھا۔ پتہ نہیں وہ پیاری سی بوڑھی خاتون کون تھیں۔ ان کی دعا کا والہانہ انداز مجھے اتنا اچھا لگا کہ اپنے دو بھولے بسرے بزرگ یعنی بواحیات خاتوں اور بڑی بھابی یاد آ گئیں اور میں نے اسی بہانے سے ان دونوں کے لئے دعا کر لی۔

حج کے دوران یہ تکلیف دہ منظر دیکھنے میں آیا کہ پیشہ ور بھکاریوں کی ایک بڑی تعداد

منظّم طریقے سے نہ صرف سارے علاقے میں بلکہ حرم شریف میں صحنِ کعبہ تک پھیلی ہوئی تھی۔ ان لوگوں میں بعض واقعتاً معذور تھے اور بعض اپنی اداکارانہ صلاحیتوں کی بنا پر معذور بنے ہوئے تھے۔ ان کی یلغار ویسے تو ہر طرف تھی لیکن خواتین والے حصہ میں توجہ زیادہ تھی۔ وجہ ظاہر ہے کہ خواتین کا دل جلدی پسیج جاتا ہے۔ جس حصے میں کسی بھکاری کو زیادہ خیرات مل جاتی وہاں دوسرے بھکاریوں کی بھی یلغار ہو جاتی۔ بعد میں پتہ چلا کہ ان میں سے بیشتر کے پاس موبائل ٹیلی فون تھے اور وہ ایک دوسرے سے براہِ راست رابطہ رکھتے تھے۔ موبائل ٹیلی فون سے یاد آ گیا کہ حرم شریف میں بیٹھے ہوئے بہت سے لوگ موبائل سے بھی استفادہ فرما رہے تھے۔ بعض لوگوں کا طرزِ عمل نہ صرف ''نو دولتیوں'' کی طرح بہت زیادہ مضحکہ خیز تھا بلکہ خاصا تکلیف دہ بھی تھا۔

ہم نے پہلے یا دوسرے دن جو خریداری کی اس میں ایک اٹیچی کیس بھی شامل تھا۔ خریدنے کے بعد جب اسے دیکھا تو اس کے اندر سے مزید تین اٹیچی کیس نکل آئے۔ ہم نے تو ایک کی قیمت طے کی تھی یہاں چار نکل آئے۔ میں نے اسی وقت مبارکہ سے کہا ہمارے دو اٹیچی کیس اور ایک بیگ غائب ہوا ہے، تین چیزوں کے بدلے میں خدا نے چار چیزیں دیدی ہیں۔ بے شک چاروں اٹیچی خالی تھے لیکن جب ہم سعودی عرب سے واپس ہوئے تو چاروں ہی تبرکات سے بھرے ہوئے تھے۔

میں نے شروع میں لکھا تھا کہ حج کے انتظامات کو بہتر بنانے کے لئے چند مشورے لکھوں گا۔ حج کے دنوں میں جدہ ائر پورٹ کی بجائے خصوصی حج پروازوں والا ائر پورٹ کھولا جاتا ہے۔ مسافرانِ کرام کی کثرت کے باوجود یہ مناسب حد تک وسیع و عریض ایریا ہے۔ رضا کاروں، اہلکاروں کی ایک بڑی تعداد وہاں متعین ہے۔ لیکن یہ سب کے سب عربی بولنے والے لوگوں کے علاوہ باقی سب کے لئے بے کار ہیں۔ جدہ ائر پورٹ سے لے کر منیٰ کی سڑکوں تک متعین اہلکاروں کے ساتھ ان تمام ممالک کی زبان بولنے والوں کا تعین کرنا بے حد ضروری ہے جہاں سے لوگ کثرت سے حج پر آتے ہیں۔ مثلاً انڈونیشیا، پاکستان، بنگلہ دیش، انڈیا، ملائیشیا، ترکی، ایران، افغانستان جیسے ممالک اور متعدد دیگر ممالک کی زبانیں جاننے

والوں کے رضا کار متعین کئے جانے چاہئیں۔ یہ کوئی اتنا مشکل کام نہیں ہے۔صرف نیت ٹھیک ہونی چاہئے اور حجاج کی مشکلات دور کرنے کا جذبہ ہونا چاہئے۔تمام متعلقہ ممالک سے ایسے رضا کار بلا معاوضہ خدمات انجام دینے کے لئے تیار مل سکتے ہیں۔ انہیں حج سے پہلے خصوصی تربیت دے کرانفرادی طور پر آنے والے حجاج کی مشکلات دور کرنے کے لئے کار آمد بنایا جاسکتا ہے۔اس کا فائدہ یہ ہوگا کہ لوگ محض عربی سے نابلد ہونے کے باعث خوار نہیں ہوں گے۔ان کی پریشانی کو سمجھا بھی جاسکے گا اور اس کا حل بھی نکل سکے گا۔ حج کو سچ مچ میں کمرشیلائز کر ہی دیا ہے تو تب بھی سعودی عرب کی حکومت کا فرض بنتا ہے کہ وہ لوگوں کے لئے پریشانیاں پیدا کرنے کی بجائے ان کی پریشانیاں کم کرنے کی کوشش کرے۔ وگرنہ قدرے تاخیر سے سہی خدا کی ناراضگی کسی نہ کسی رنگ میں ظاہر ہو کر رہے گی۔اگر ابو جہل جیسے بد بخت لوگ بھی نیک نیتی کے ساتھ حجاج کی خدمت کیا کرتے تھے تو سعودی حکمرانوں کو اپنی ذمہ داری کا احساس کرتے ہوئے اتنا دیکھ لینا چاہئے کہ وہ حجاج کے لئے کیا کر رہے ہیں؟اور جہاں جہاں خامیاں ہیں انہیں دور کرنے کے لئے کیا اقدامات کئے جاسکتے ہیں؟

منیٰ میں رمی جمرات کے موقعہ پر ہر سال اموات ہوتی ہیں۔ یہ اموات صرف اور صرف بدانتظامی کی وجہ سے ہوتی ہیں۔اس سلسلے میں پہلے بھی لکھ چکا ہوں کہ جہاں سے لوگ پتھر مارنے کے لئے آرہے ہوتے ہیں ان کی واپسی بھی وہیں سے ہوتی ہے۔اسی لئے آتے ہوئے ہجوم اور جاتے ہوئے ہجوم کے ٹکراؤ سے بھگدڑ مچتی ہے اور کمزور لوگ مارے جاتے ہیں۔اسی حج کے موقعہ پر اور اسی رش کے عالم میں صفا اور مروہ کے درمیان سعی کرتے وقت جو جگہ ہوتی ہے وہ منیٰ کے مقابلہ میں خاصی محدود جگہ ہوتی ہے لیکن چونکہ وہاں آنے اور جانے کے رستے بالکل الگ الگ بنے ہوئے ہیں۔اسی لئے نہ وہاں کوئی بھگدڑ مچتی ہے نہ وہاں لوگوں کی اموات ہوتی ہیں۔ان دو مثالوں سے ہی مسئلے کا حل واضح ہو جاتا ہے۔یعنی رمی جمرات کے لئے آنے اور جانے کے بالکل الگ الگ رستے بنائے جانے چاہئیں۔ یہ کوئی اتنا بڑا مسئلہ نہیں ہوگا صرف نیت کرنے کی بات ہے اور کام شروع کر دیا جائے تو اگلے حج سے پہلے سارا نظام سیٹ بھی کیا جاسکتا ہے۔اگر

سعودی حکومت یہ کام کرنے کی اہلیت نہیں رکھتی تو پھر شیطان کو مارنے کے رستوں کا انتظام کسی جرمن کمپنی کو ٹھیکے پر دے دے۔اگر خانہ کعبہ سے سعودی حکومت کے بعض باغیوں کو نکالنے کے لئے مغربی ممالک کی افواج سے مدد لی جا سکتی ہے (جو سعودی حکومت کسی زمانے میں لے چکی ہے) تو شیطان والے حصے میں حاجیوں کے بچاؤ اور سہولت کے لئے بھی ایسی مدد لے لینے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

گروپ کی صورت میں آنے والے حجاج کسی فوجی دستے کی طرح لگتے تھے۔انڈونیشیا اور ملائیشیا کے گروپس تو دیکھنے میں بہت ہی پیارے لگتے تھے۔افغانیوں کے گروپ دیکھے تو دل میں ان کے لئے کوئی انجانا سا (یا شاید جانا سا) درد اٹھا لیکن گروپ کے افراد چہروں سے سرخرو دکھائی دے رہے تھے۔ان کے سر بلند تھے اور چال دھمک پیدا کرنے والی تھی۔مختلف عربی گروپ بھی اچھے لگ رہے تھے۔فلسطینیوں کے بارے میں معلوم ہوا کہ ان سب کو سعودی حکومت نے اپنے سرکاری خرچ پر پورا طیارہ چارٹر کر کے بلایا تھا اور ان کے قیام وطعام کا سارا خرچہ بھی حکومت کے ذمہ تھا۔یہ خبر اچھی لگی۔

خانہ کعبہ کو اس بار پہلے دن دیکھا تھا تو اس کے اصل غلاف کے نیچے لگ بھگ دو میٹر چوڑی سفید پٹی لگی ہوئی تھی۔۱۲رفروری کو جب خانہ کعبہ کو دیکھا تو غلافِ کعبہ بدستور اصل مقام سے اونچا رکھا گیا تھا لیکن اس کے نیچے لگائی گئی اضافی سفید پٹی ہٹا دی گئی تھی۔اب نیچے سے کعبہ کی دیواروں کی اینٹیں دکھائی دے رہی تھیں۔

حج کرنے کے بعد حج اور عمرہ کے فرق کا اندازہ ہوا۔حج فرض ہے۔عمرہ کی حیثیت نوافل جیسی ہے۔روحانی دنیا کے اہلِ نظر بخوبی جانتے ہیں کہ فرض نماز تو صرف فرض پورا کرنے والی بات ہوتی ہے،حکم بجا لانا ہوتا ہے۔محض فرض نمازیں پڑھنے سے قربِ خداوندی نہیں ملتا۔قربِ خداوندی کے لئے فرض سے آگے بڑھ کر نوافل کی منازل طے کرنا ہوتی ہیں۔یوں بھی فرض نماز کی باجماعت ادائیگی میں وہ روحانی لطف پیدا نہیں ہو پاتا جو اکیلے میں نوافل کی ادائیگی میں ملتا ہے۔بس جیسے نمازوں میں فرض اور نوافل کا فرق ہے ویسے ہی حج اور عمرہ میں فرق

ہے۔حج فرض ہے اور صاحبِ توفیق پر لازم ہے۔اس میں مشقت اور ریاضت کا پہلو نمایاں ہے۔عمرہ فرض نہیں ہے لیکن نوافل کی طرح اس کی لذت الگ ہے۔ابھی تک کے تجربوں سے تو یہی کچھ سمجھ میں آیا ہے۔زندگی رہی،مزید توفیق ملی

اور اگلے تجربوں میں اس تاثر سے ہٹ کر کوئی نیا تاثر بنا تو ''سوئے حجاز'' کے کسی اگلے ایڈیشن میں اسے بیان کردوں گا۔ورنہ ابھی تک کا جو بھی تاثر بنا ہے وہ بیان کر دیا ہے۔خدا کا شکر ہے کہ اس نے مجھ گنہگار کو (میری اہلیہ سمیت) نہ صرف عمرہ کی لذت عطا کی بلکہ حج کا فریضہ ادا کرنے کی توفیق بھی بخش دی۔اسے قبول کرے نہ کرے اس کی مرضی ہے۔ہمیں توفیق ملی تو ہم نے گرتے پڑتے جیسے تیسے ممکن ہوا فرض کو ادا کرلیا۔

☆☆☆☆☆☆☆

چند تاثرات

میری رائے میں حیدر قریشی کا یہ سفرنامہ اردو میں لکھے ہوئے حج کے سفرناموں میں ایک بہت نمایاں اور ممتاز مقام کا حامل ہے اور سفرناموں کے ضمن میں ایک قیمتی اضافہ جو آئندہ چل کر بہت سے نقطہ ہائے نظر سے تاریخی حوالہ جات کا کام دے گا۔۔۔۔حیدر قریشی کا سفرنامہ ''سوئے حجاز'' پڑھتے ہوئے اس موضوع کا کوئی بھی سفرنامہ یاد نہیں آتا۔اس کی وجہ حیدر قریشی کا منفرد اندازِ فکر اور منفرد اسلوبِ تحریر ہے۔حیدر قریشی کا یہ امتیاز بہت نمایاں ہے کہ وہ قاری کی تمام تر توجہ اپنی جانب اس طور باندھ رکھتا ہے کہ پڑھنے والے کو کہیں اِدھر اُدھر کی نہ تو فرصت ملتی ہے اور نہ ہی ضرورت محسوس ہوتی ہے۔وہ حیدر قریشی کے تخلیقی سحر میں سرتاپا شرابور ہوتا چلا جاتا ہے۔

اکبر حمیدی (اسلام آباد)

....

''**سوئے حجاز** میرے لئے ایک انمول تحفہ ہے۔یوں لگا گویا میں آپ دونوں کے ساتھ سفر کر رہا ہوں۔مکہ معظّمہ اور مدینہ منورہ کے سارے متبرک مناظر اور شب و روز مجھے یاد آئے۔''

(خط **افتخار امام صدیقی** مدیر ماہنامہ **شاعر** بمبئی،بنام حیدر قریشی ۱۳/جولائی ۲۰۰۵ء)

....

سوئے حجاز کی فکری اور ادبی سطح کے علاوہ بھی اور کئی سطحیں ہیں جن کا اس مختصر مضمون میں احاطہ کرنا مشکل ہے تاہم یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ حیدر قریشی کا یہ سفرنامہ عصر حاضر کے بیشتر سفرناموں میں منفرد مقام رکھتا ہے۔

ڈاکٹر نذر خلیق (اسلام آباد)

....

پارسل کی ڈوری کیا کھولی کہ محبت کی ڈوری سے بندھ گیا۔سوئے حجاز فوراً پڑھنا شروع کی۔دو نشستوں میں عمرے کا سفرنامہ ختم کیا ایک افطاری سے پہلے اور دوسری افطاری کے بعد۔آج حج کا سفرنامہ پڑھ کے ختم کیا ہے اور نیٹ پر آ گیا ہوں۔سارا سفرنامہ دردمندی اور عقیدت سے لکھا گیا ہے۔بلاوجہ کسی کو جذباتی نہیں کیا۔بات سادگی سے کہہ دی ہے۔سفرنامے کو انتہائی مختصر رکھا گیا ہے،شاید یہی اس کی خوبصورتی بھی ہے کہ بات کو زیادہ پھیلایا نہیں گیا۔ایک بات زیادہ خوبصورت لگی کہ سفرنامہ ہیتھرس ہائم سے شروع ہوتا ہے،پاکستان سے نہیں۔

محمد یونس خان (سرگودھا) ای میل بنام حیدر قریشی 03.10.2006 / 19:36

....

سفرنامہ ''سوئے حجاز'' جہاں حیدر قریشی کے احساسات اور خیالات کی بہترین ترجمانی کرتا ہے،وہاں اپنے قارئین کے لیے نہایت اہم تاریخی اور مذہبی معلومات کا خزینہ بھی ہے۔ **منزہ یاسمین** (بھاول پور)

....